ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فیض

”اس وقت مسلمانوں کے پاس علم و دین کا جو کچھ سرمایہ ہے، خیر و برکت کا جو کچھ ذخیرہ ہے، شعائر اسلام کی بلندی، اسلام کی اشاعت، عمل خیر کے جو کچھ محرکات اور جو کچھ توفیق خیر ہے اور سچ پوچھئے تو عالم میں اس وقت جو کچھ صلاح و خیر نظر آرہی ہے وہ سب صحابہ کرام کی جاں فشانیوں، اخلاص، علو ہمت، ایثار، اور قربانیوں کا نتیجہ اور ان کے نفوس قدسیہ کی برکت و نورانیت ہے۔“

علامہ ابن تیمیہؒ

OCT 15

₹10/-

مركز الإمام أبي الحسن الندوي

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

خلفائے اربعہؓ کی ترتیب خلافت

قدرت وحکمت الٰہی کا مظہر

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

''آپ اس نظام نیابت کو دیکھیں جو ''خلافت راشدہ'' کے لقب سے مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے سفر کرنے کے بعد جو شخصیتیں مسند خلافت پر آئیں اور پھر جس ترتیب کے ساتھ مسند خلافت پر متمکن ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے فرائض خلافت ادا کرنے کا جو موقع ان کو عطا فرمایا، یہ بالکل ''ذلك تقدير العزيز العليم'' کا مظہر ہے، اس سلسلہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی ترتیب اور ایسے نظام کے ساتھ چلایا کہ وہ اس کی رحمت واسعہ، اس کی حکمت بالغہ اور اس کی قوت قاہرہ کی ایک مثال ہے۔

دنیا کے مذاہب وادیان اور اقوام وملل اور فلسفہ تاریخ پر نظر رکھنے والے مفکرین اگر کہیں جمع ہوں اور ان کو اس کا پورا اختیار دیا جائے کہ وہ اپنے تاریخی تجربہ اور مذاہب وادیان اور اقوام وملل کے اسباب زوال وارتقاء کے مطالعہ کی مدد سے اس سے بہتر ترتیب قائم کریں تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں اور تاریخ اور فلسفہ تاریخ کے ایک طالب علم اور خاص طور پر ادیان وملل کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے فرد کی حیثیت سے پورے دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ اس سے بہتر ترتیب سوچ نہیں سکتے اور اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، اکثر ایسا ہوا ہے کہ کوئی عہد گزر گیا یا ملوک وسلاطین کا کوئی سلسلہ مکمل ومختتم ہو چکا ہے، کوئی سلسلہ حکومت یا شاہی خاندان اپنی مدت ختم کر چکا ہے، بعد میں فلسفہ تاریخ پر نظر رکھنے والے جو لوگ آئے اور انھوں نے ان کی ترتیب پر، اس ترتیب کے نتائج پر اور پھر ملک ومعاشرہ پر پڑنے والے اس کے اثرات پر غور کیا تو ان کو کہیں نہ کہیں یہ کہنے کا موقع ضرور مل گیا کہ اگر ایسا ہوتا تو زیادہ بہتر تھا، فلاں کے بعد اگر فلاں آیا ہوتا تو زیادہ اچھا ہوتا، اگر وہ پہلے نمبر پر ہوتا تو زیادہ مفید ثابت ہوتا، اگر وہ دوسرے نمبر پر آیا ہوتا تو زیادہ بہتر ثابت ہوتا اور پھر جیسا کہ کسی کہنے والے نے کہا کہ ایک حرف ''کاش'' ایسا ہے کہ مجھے سو جگہ لکھنا پڑا ہے ؏

یک حرف کاش کیست کہ صد جا نوشتہ ایم

وہ بھی سو جگہ لکھنے پر مجبور ہوتا کہ کاش ایسا ہوتا، کاش ویسا ہوتا، میں پھر دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ صرف مسلمان ہی نہیں دنیا کی دوسری قوموں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات مغربی اقوام کے بہترین مفکرین، تاریخ داں اور فلاسفہ اور بڑے بڑے مبصرین جمع ہو کر اسلام کے عہد اول کی تاریخ کا مطالعہ کریں اور ان کو آزاد چھوڑ دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ وہ اپنے ذہن ودماغ سے اور اپنے تاریخی مطالعہ کی روشنی میں اس دین کی حفاظت کرنے والوں اور اس کو دنیا میں پھیلانے والوں کا ایک چارٹ تیار کریں اور ایک نقشہ بنائیں کہ کس کو کس کے بعد آنا چاہیے تھا تو میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس سے بہتر چارٹ نہیں بنا سکتے۔''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

پیام عرفات

مرکز الامام أبی الحسن الندوی
دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)
www.abulhasanalinadwi.org

جلد: ۷ — اکتوبر ۲۰۱۵ء — شمارہ: ۱۰

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دارعرفات)
نگراں: مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ (جنرل سکریٹری، دارعرفات)

مجلس ادارت
بلال عبدالحی حسنی ندوی | مفتی راشد حسین ندوی | عبدالسبحان ناخداندوی
محمود حسن حسنی ندوی | محمد حسن ندوی

معاون ادارت
محمد نفیس خاں ندوی

حیاتِ شہداء

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِن لَّا تَشْعُرُونَ﴾

(اور جو اللہ کے راستہ میں مارے گئے ان کو مردہ مت کہو بلکہ (وہ) زندہ ہیں البتہ تم محسوس نہیں کرتے)

(البقرة: ۱۵۴)

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات"
مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔ Mail: markazulimam@gmail.com

فہرس

سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ (اداریہ) ۳

بلال عبدالحی حسنی ندوی

آخرت کا تصور ۴

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

اصحاب رسول ﷺ کے چند امتیازی اوصاف ۶

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ

اہل بیت کا مصداق کون؟ ۷

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

سیرت نبوی ﷺ -قرآن کریم کے آئینہ میں ۹

بلال عبدالحی حسنی ندوی

نماز کے فرائض ۱۱

مفتی راشد حسین ندوی

شہادت حسین کا پیغام ۱۳

عبدالسبحان ناخدا ندوی

بے پردگی کی تباہ کاریاں ۱۵

محمد سمعان خلیفہ ندوی

جنتی شہید ۱۶

محمد ارمغان بدایونی ندوی

مصر-فوجی انقلاب کے دو سال بعد ۱۷

خلیل احمد حسنی ندوی

انسانی زندگی میں حسن اخلاق کی اہمیت ۱۹

امین حسنی ندوی

اسرائیلی مظالم ۲۰

محمد نفیس خاں ندوی

سینہ میں جو محشر برپا ہے

جس دل میں خدا کا خوف رہے باطل سے ہراساں کیا ہوگا
جو موت کو خود لبیک کہے وہ حق سے گریزاں کیا ہوگا

آئین چمن بندی بھی نہیں دستور نوا سنجی بھی نہیں
اس سے زیادہ گلشن کا شیرازہ پریشاں کیا ہوگا

ارباب محبت سے یہ کہو، شکوے نہ کریں، کچھ کام کریں
جو ظلم و ستم پر اترائے، شکووں سے پشیماں کیا ہوگا

جو لوگ ہوا کے ساتھی ہیں وہ اپنے خدا کے باغی ہیں
اس جرم بغاوت سے بڑھ کر ایمان کا نقصاں کیا ہوگا

جس کشتی کی پتواروں کو خود ملاحوں نے توڑا ہو
اس کشتی کے ہمدردوں کو پھر شکوۂ طوفاں کیا ہوگا

مدت سے کشاکش جاری ہے صیاد میں اور گلچینوں میں
تنظیم گلستاں ہونے تک انجام گلستاں کیا ہوگا

جس چوٹ سے دل میں ہل چل ہے، آہوں میں وہ ظاہر کیا ہوگی
سینہ میں جو محشر برپا ہے اشکوں سے نمایاں کیا ہوگا

اس شام خزاں نے اب تک تو ہر طرح سے پردہ داری کی
جب صبح بہار آجائے گی اے تنگی داماں کیا ہوگا

خلوت ہو کہ جلوت ہو ماہرؔ دل کھویا کھویا رہتا ہے
اس غم کی تلافی کب ہوگی، اس درد کا درماں کیا ہوگا

نتیجۂ فکر:- ماہر القادریؒ

مدیر کے قلم سے

سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

بلال عبدالحی حسنی ندوی

یہود ونصاریٰ کی اسلام دشمنی کوئی نئی نہیں ہے، دونوں نے اپنا سب سے بڑا حریف مسلمانوں کو سمجھا ہے، مسلمانوں کی ہزار سالہ زریں تاریخ ان کے سامنے ہے جو دنیا کا سب سے سنہری دور تھا، امن وامان کے دیے جلتے تھے، ایک کمزور خاتون قیمتی سامان کے ساتھ کئی کئی سو میل کا سفر کرتی، کوئی اس کو چھیڑ نہیں سکتا تھا، لیکن یہ سب چونکہ اسلام کے جھنڈے تلے ہو رہا تھا، اس لیے اس کے حریفوں نے اسے کبھی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا، اور یہ سب کچھ ان کی آنکھوں کا کانٹا بنا رہا، اور وہ ہمیشہ اس کانٹے کو دور کرنے کے لیے کوشاں رہے، اس کے لیے انھوں نے ساری تدبیریں کیں، سازشوں کے جال بنے، اور بالآخر وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوگئے، دنیا کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں آگئی، اس کے بعد سے خون کی ندیاں بہنے لگیں، اسلام کی ہزار سالہ تاریخ میں اتنا خون نہ بہا ہوگا جتنا خون عالمی جنگوں میں بہایا گیا، دو کروڑ سے زیادہ لوگ موت کے گھاٹ اتار دیے گئے اور اس کے بعد بھی اس کا سلسلہ جاری ہے، اس کے مختلف حیلے بہانے تلاش کیے جاتے ہیں۔

وہ دو قومیں جو ایک دوسرے کی انتہائی دشمن ہوسکتی تھیں مسلمانوں کو مٹانے کے لیے ایک ہیں، اور ادھر تقریباً دو سو سال سے انھوں نے اس کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی، اور سازشوں کے ایسے جال بنے کہ مسلمانوں کو مسلمانوں سے ٹکرایا، ان کے اندر ہر طرح کی طبقہ واریت پیدا کی، صحیح اور مکمل اسلام سے ان کو کاٹنے کے لیے پلان تیار کیے، جس کے نتیجہ میں اسلام کے نام پر مسلمان مسلمان کا خون بہانے لگے، اور جو کام خود ان کے لیے اتنا آسان نہ ہوتا وہ کام مسلمانوں ہی کے ذریعہ انھوں نے کرنا شروع کردیا، اور افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمان آسانی کے ساتھ ان سازشوں کا شکار ہوتے چلے گئے۔

عالم اسلام کی موجودہ صورتحال انتہائی نازک ہے، مختلف ملکوں میں داعش کی شدت پسندانہ کارروائیوں نے اسلام کی ایک نہایت نامناسب تصویر غیروں کے سامنے پیش کی ہے، جو دعوت کی راہ میں اس وقت بہت بڑی رکاوٹ ہے، مبصرین کی رائے میں اس تحریک کے پیچھے صہیونی دماغ ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنے متعدد مقاصد حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

ایک طرف مسلمانوں کے ذریعہ مسلمانوں کا خون بہایا جارہا ہے تو دوسری طرف یورپ وامریکہ میں دینی حمیت وغیرت والا جو طبقہ مقیم تھا اور جس سے یورپ وامریکہ کو ہمیشہ خطرہ لگا رہتا تھا وہ طبقہ جہاد اسلامی کے نام پر وہاں سے رخت سفر باندھ رہا ہے، اور اس طرح وہ کام جو ان کے لیے شاید بے حد مشکل تھا بآسانی انجام پا رہا ہے۔ اور تیسری طرف داعش کی کارروائیوں میں نمک مرچ لگا کر اور جھوٹی اور فرضی تصاویر تیار کرکے اسلام کی نہایت غلط تصویر دنیا کے سامنے پیش کی جارہی ہے، جو اسلام کی طرف تیزی سے بڑھتے ہوئے رجحان کے لیے ایک رکاوٹ بنتی جارہی ہے، اور نہ جانے کیا کیا مقاصد ہیں جو ان کے ذریعہ سے پورے کیے جارہے ہیں۔

یہود ونصاریٰ کی یہ سازشیں نئی نہیں ہیں، وہ اس طرح مسلمانوں کو استعمال کرتے ہیں اور دین کے نام پر کرتے ہیں کہ استعمال ہونے والوں کو بالکل اندازہ نہیں ہو پاتا کہ ان کے ہتھیاروں کا رخ کدھر ہے، صورت کچھ ہوتی ہے اور حقیقت کچھ، اور اس کے لیے بڑی بصیرت کی ضرورت پڑتی ہے ورنہ دین کے نام پر ایک مسلمان بسا اوقات وہ کام کرتا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے لیے ناسور بن جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے بڑا نمونہ سیرت کا ہے، سیرت کا مطالعہ اگر گہری نظر سے کیا جائے تو سارے حقائق کھل جاتے ہیں، طریقۂ کار کی تفصیلات سامنے آجاتی ہیں، اور مسلمان راستہ بھٹکنے سے بچ جاتا ہے، افسوس کی بات یہ ہے کہ آج ہم سیرت کو مکمل آئیڈیل نہیں بناتے، کچھ حصہ کو لیتے ہیں تو اس کا بڑا حصہ چھوڑ دیتے ہیں، جو کارروائیاں کی جاتی ہیں وہ سیرت کی روشنی میں اس کے عین مطابق کرنیکی کوشش نہیں کی جاتی، جس کے نتیجہ میں حالات بگڑ جاتے ہیں اور وہ نتائج سامنے آتے ہیں جو مسلمانوں کے لیے سوہان روح ثابت ہوتے ہیں۔

آخرت کا تصور

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

أعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم

بسم الله الرحمٰن الرحيم

﴿اللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ﴾ (الرعد:٢٥)

ترجمہ:- اللہ جس کے لیے چاہتا ہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اور وہ دنیا کی زندگی ہی میں مست ہو گئے جبکہ دنیا کی زندگی تو آخرت کے آگے معمولی سامان سے زیادہ کچھ نہیں۔

تشریح:- اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیا کی حقیقت، آخرت کے مقابلہ میں ایک چٹخارے سے زیادہ نہیں ہے، جیسے انسان کو کوئی مزے کی چیز چکھنے یا چاٹنے کو مل جائے، تو اس کو تھوڑی دیر کے لیے مزا آتا ہے حالانکہ اس کا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں ایسا مزا ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی کو اس سے کچھ مل جائے۔

''آخرت'' ایک سپاٹ زمین کی طرح ہے کہ اس میں کچھ نہیں اگتا، نہ ہی کچھ پیدا ہوتا ہے، اس میں جو بھی چیز پیدا ہوتی ہے وہ دنیا کے اعمال ہی سے پیدا ہوتی ہے، وہ اس طرح کہ دنیا میں اللہ کی رضا کے لیے بعض ایسے اعمال ہیں کہ ان کے کرنے سے وہاں باغ لگ جائے گا، بعض اعمال ایسے ہیں کہ ان کے کرنے سے وہاں گھر بن جائے گا، بعض اعمال ایسے ہیں کہ ان کے کرنے سے وہاں نہریں جاری ہو جائیں گی، یعنی آدمی دنیا کی زندگی میں اپنے لیے جو راحت کا سامان کرتا ہے، جیسے: باغ لگاتا ہے، مکان بناتا ہے، اور دوسری سہولت کے سامان کرتا ہے، گویا یہ سب وہاں جنت میں موجود ہوں گے، لیکن فرق یہ ہے کہ دنیا میں ہم جو کرتے ہیں اس کا فائدہ بھی ہم کو یہیں حاصل ہو جاتا ہے، اور جنت و آخرت کا معاملہ یہ ہے کہ اگر ہم دنیا میں کچھ اعمال صالحہ کریں گے تب وہاں اس کا فائدہ ہوگا، ہم یہاں ایک نیک عمل کر رہے ہیں گویا وہاں اپنا مکان بنا رہے ہیں، اپنے لیے باغ لگوا رہے ہیں، اپنے لیے مختلف فائدے اور مختلف راحتوں کے سامان کر رہے ہیں، گویا یہاں عمل کرنے سے وہاں آدمی کی جنت بنتی رہتی ہے، لیکن جو یہاں اپنی جنت نہ بنا سکے تو وہاں اس کو کچھ حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہاں نہ سایہ ہے، نہ ہی موسم کا اعتدال، اس دنیا کی زندگی میں جو ہم موسم کے اعتدال دیکھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے خاص کرم کی وجہ سے ہیں، یعنی کتنی گرمی پڑنی چاہیے، کتنی سردی پڑنی چاہیے، یہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی برداشت کے مطابق دنیا میں کر رکھا ہے، اسی لیے سب جانتے ہیں کہ اتنی ڈگری گرمی ہوتی ہے، اتنی ڈگری سردی ہوتی ہے، گویا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام ہے کہ انسان جتنی ڈگری میں زندگی گزار سکتا ہے، اسی حساب سے موسم کو فٹ کر دیا ہے۔

غرض کہ ہم دنیا میں جو کچھ فائدہ اٹھا رہے ہیں یہ خود ہماری اپنی کوشش کا نتیجہ نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہیا کیا ہوا ہے، پانی ہم کو جو ملتا ہے یہ ہم خود نہیں بناتے، اور نہ کہیں سے لا سکتے ہیں، بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ سمندروں سے بادلوں کے ذریعہ سے بھیجتا ہے، اور فرشتے لے کر آتے ہیں، اور وہاں وہاں برساتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، اور پھر اس سے سارے انسانوں کو فائدہ پہنچتا ہے، ان کو بھی جو اللہ کے منکر اور کافر ہیں، اور مسلمانوں کو بھی جو ایمان والے ہیں، البتہ آخرت میں اس نے یہ طے کر رکھا ہے کہ وہاں صرف انہیں لوگوں کو سب کچھ ملے گا جو فرمانبردار ہیں، اور دنیا میں فرمانبرداری کر کے گئے ہیں، جنہوں نے دنیا میں اللہ کا شکر ادا کیا ہے، اور تکلیفوں پر صبر کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے لیے وہاں وہ مہیا کرے گا، جو انسان کی ضرورت ہے، اسی لیے آتا ہے کہ انسان جو چاہے گا وہاں اس کو مل جائے گا، اور اس طرح ملے گا کہ وہاں کچھ محنت بھی نہیں کرنی پڑے گی، یہاں تو ہم ہاتھ بڑھا کر چیز کو اٹھاتے ہیں، وہاں ہم کو یہ بھی نہیں کرنا پڑے گا، بلکہ اگر ہماری خواہش ہوگی کہ ہم کو فلاں چیز ملے، تو فوراً وہ چیز ہم تک پہنچ جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وہاں کا نظام ہی ایسا بنایا ہے، لیکن یہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو دنیا سے اعمال صالحہ اور فرمانبرداری کے ساتھ رخصت ہوں، اور جو لوگ یہاں سے عمل کر کے نہیں جائیں گے ان کو وہاں وہ چیز نہیں ملے گی، وہاں ان کو نہ موسم کا اعتدال ملے گا، نہ ان کو

راحت کا کوئی اور سامان ملے گا، وہاں ایسی تپش، ایسی گرمی، ایسی تیز آگ ہوگی جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، اس عالم کی آگ تو بہت معمولی آگ ہے، لیکن اس عالم کی آگ بڑی سخت آگ ہوگی، اس لیے وہاں اگر کوئی شخص ایسی کوئی چیز لے کر نہیں گیا ہے جس سے وہاں اس کو راحت ملے تو پھر اس کو وہاں کی جو مصیبتیں اور تکلیفیں ہیں، وہاں کی جو آگ ہے، وہاں کے جو انگارے ہیں اور وہاں کے جو کڑوے پھل ہیں وہی ملیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے، اس لیے وہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس مصیبت سے محفوظ رہیں، کیونکہ یہ وہ عالم ہے جیسے آپ کسی بھی صحراء میں چلے جائیں تو وہاں آپ کو سوائے گرمی و دھوپ اور پریشانی کے کچھ بھی نہیں ملے گا، اور اگر آپ سمندر میں چلے جائیں تو وہاں پانی ہی پانی ملے گا، نہ آپ کو کھانے کے لیے کچھ ملے گا، نہ پینے کے لیے کچھ ملے گا، سوائے اس کے جو آپ لے کر جائیں، اسی طرح انسان جب دنیا سے جاتا ہے تو آخرت کے لیے اس نے جو کچھ تیاری کی ہوتی ہے وہی لے کر جاتا ہے، یعنی اس کے ساتھ صرف اس کے اعمال جاتے ہیں بقیہ اور کوئی چیز نہیں جاتی۔

''آخرت'' بالکل چٹیل میدان کی طرح ہے، وہاں موسم بھی نہیں کہ قابل برداشت ہو، بلکہ سخت گرمی، تپش اور لو ہوگی، اس وقت جب لوگ اٹھائے جائیں گے تو سخت پریشانی میں ہوں گے اور بے چین ہوں گے کہ کسی طریقہ سے ہمارا حساب و کتاب ہو جائے، اور ہم جلدی سے اس مصیبت سے نجات پا جائیں، جس مصیبت میں ہم کھڑے ہیں، کہ شدید موسم ہے اور کوئی سہارا نہیں، لیکن یہ بھی فکر ہوگی کہ حساب و کتاب ہو جائے اور حساب و کتاب اچھا بھی نکلے، کیونکہ اگر حساب اچھا نہیں نکلا، تو اس سے زیادہ سخت مصیبت میں پڑنا ہوگا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھتے ہو، حالانکہ تمہاری یہ چند سال کی راحت، وہاں کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی، جیسے کئی سالوں کے مقابلہ میں ایک منٹ کا وقت ہوتا ہے، اسی طرح دنیا کی زندگی ہے، جس کا اندازہ انسان کو تب ہوگا جب وہاں پہنچے گا، کیونکہ اس وقت انسان کو ہمیشہ ہمیش کی زندگی کے سامنے دنیا میں گزارے ہوئے چند سال بہت ہیچ معلوم ہوں گے، جس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ جب ہم اپنے ماضی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں گزرا ہوا زمانہ بہت مختصر معلوم ہوتا ہے، اور ایسا لگتا ہے کہ ابھی چند دن کی بات ہے جب یوں ہوا تھا، اسی لیے وہاں دنیا کی زندگی اور حقیر معلوم ہوگی، لیکن جب وہاں کچھ نہیں ملے گا تو آدمی کے پاس بے چینی اور افسوس کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے تم کو دنیا میں بہت سمجھایا تھا، نبی بھیجے تھے، کتاب اتاری تھی، اور تمہارے لیے سمجھنے کی ہم نے بہت تدبیریں کر دی تھیں، لیکن تم نے خود سمجھنے کی کوشش نہیں کی، تم نے اس کو مذاق سمجھا، تم نے سمجھا کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے یہ یوں ہی تفریح ہے، حالانکہ تفریح نہیں تھی، ہم نے تم کو بار بار متوجہ کیا تھا کہ جہنم کی آگ سے تم کو بچنا ہے، اگر اس سے بچنے کی کوشش نہ کرو گے تو پھر تم کچھ نہیں کر سکتے، تم آخرت کی مصیبت سے اپنے کو بچاؤ، وہی سخت مصیبت ہے، تم دنیا کی راحت میں اس بات کو نہ بھول جاؤ کہ ایک عالی زندگی سامنے آنے والی ہے، وہاں کا آرام اصل آرام ہے، وہیں کی تکلیف اصل تکلیف ہے، اس کی فکر زیادہ کرو، تم اپنے ایک دو روز کے آرام کے لیے اس کو قربان نہ کر دو۔

دنیا میں آخرت کے لیے تکلیف اٹھانے کی مثال ایسی ہی ہے جیسے بچپن میں آدمی کو تعلیم کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، کام سیکھنے کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آگے کی تیس چالیس سال والی عمر آرام سے گزرے، اسی کے لیے آدمی بچپن میں چند سال تک تکلیف اٹھاتا ہے، لڑکوں کو محنت کرائی جاتی ہے، اور ان کو مشقت ہوتی ہے، تاکہ ہمارے یہ چند سال تکلیف سے گزارنے کے بعد ہمارے بقیہ چالیس پچاس سال آرام سے گزر جائیں، لیکن دنیا میں ہمارے ان چالیس پچاس سال کے آرام کا آخرت میں لاکھوں، کروروں سال کے آرام سے کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔ اسی لیے فرمایا: دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں ایک چٹخارے سے زیادہ نہیں ہے، جس چٹخارے میں تم مبتلا ہو، لیکن تم ہماری باتوں کو مان نہیں رہے ہو، حالانکہ ہم نے تمہارے لیے کتنے انتظامات کیے، تمہارے لیے پانی مہیا کیا، تمہارے لیے کھانے کی جو اشیاء چاہئیں وہ ہم نے زمین میں رکھیں، جن کو تم نکالتے ہو اور استعمال کرتے ہو، اور تمہاری ہر ضرورت کو ہم پورا کرتے ہیں تاکہ تم اچھے اعمال کرسکو اور جنت کے مستحق ہوسکو۔

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چند امتیازی اوصاف

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہٗ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ۲۳/سال کی مدت میں ایسی پاکیزہ جماعت تیار کردی جس نے نہ صرف مزاج نبوت اور بعثت محمدیؐ کے مقصد کو سمجھا؛ بلکہ اس کی ہدایات وتعلیمات کو نافذ کرنے اور نبوی اسوہ وطرز عمل کی طرف راغب کرنے اور شوق دلانے کا کام انفرادی واجتماعی طور پر اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے انجام دیا، خواہ یہ دائرہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، گھر اور محلّہ کا ہو یا شہر وملک اور اس سے آگے بڑھ کر کا حدود خلافت کا، اس ذمہ داری کی ادائیگی میں ذرا بھی پہلو تہی نہیں کی۔

چونکہ یہ امت امتِ وسط ہے اور ایک رہبر اور مثالی امت ہے، اور جس کے افراد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سخت سے سخت حالات میں رہ کر اور پھر اچھے اور خوش گوار ماحول میں رہ کر تربیت حاصل کی تھی، اور وہ اس کیفیت کے ساتھ ہر موقع سے رہتے تھے کہ:

جہاں کردیا نرم نرما گئے وہ
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ

اور یہ امت امت ہدایت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ اس کی بھی بعثت ہوئی ہے، اللہ تعالی نے فرمایا ہے: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہے تم بھلائی کی تلقین کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)۔

چنانچہ خلفائے راشدین نے اجتماعی اور انفرادی دونوں طور پر اس ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے پوری کوشش کی، اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سبھی صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے لیے سرگرم عمل ہوگئے، اور ہدایت عام ہوتی چلی گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تربیت حاصل کرنے والے افراد نے جنہیں صحابہ کا خطاب ملا، اصلاح ودعوت، تعلیم وتبلیغ، ارشاد وہدایت کا کام برابر جاری رکھا، اور ان کے فیض صحبت اور نور باطن سے استفادہ کرنے والی جماعت تابعین کی تیار ہوئی، جنہوں نے دین کا صحیح مزاج ان سے سمجھ کر اور انسانیت کی ہدایت کا درد پاکر دنیا بھر میں اس کو عام کرنے کا جذبہ اور حوصلہ لیا اور وہ دنیا میں اس فکر کو لے کر پھیل گئے، اور اسلام کی آغوش میں دنیا بھر کی قوموں کے افراد جوق در جوق داخل ہونے لگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت، تعلیم، اور دعوت وتبلیغ کے کام کی اہمیت صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل ودماغ میں ایسی راسخ کردی تھی کہ اس میں کسی سیاسی اور دنیوی مصلحت کو کبھی حائل نہیں ہونے دیا۔

تعلیم دین وفہم دین کے تعلق سے دو الگ باتیں فرمائیں، ایک موقع پر فرمایا: "خير كم من تعلم القرآن وعلمه." (تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے پھر دوسروں سکھائے)۔

اور فرمایا: "من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين."

(اللہ تعالی جس کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنا چاہتے ہیں تو اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں)۔

صحابہ کرام کسی اقدام سے پہلے اس بات کو پیش نظر رکھتے تھے کہ ان کا یہ اقدام اور عمل اللہ کو خوش کرنے والا ہے یا ناراضگی کا باعث ہوگا تاکہ ان کا کوئی بھی قدم اپنے نفس اور مفاد کے لیے نہ ہو، حضرت علیؓ کا عمل غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے جب ایک مقابلہ میں دشمن نے ان کے اوپر تھوک دیا تو وہ پیچھے ہٹ گئے کہ ایسی صورت میں اٹھایا جانے والا قدم نفس کے لیے ہوگا، اسی طرح جب حضرت عمر بن خطاب نے حضرت خالد بن الولید کو معزول کیا تو وہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی ماتحتی میں اسلام کے دفاع اور نصرت دین میں دینی جذبہ اور عزم راسخ کے ساتھ حصہ لیتے رہے، اور بہکانے والوں کو جواب دیا کہ میرا مقصد نصرت دین اور خدا کی رضا کا حصول ہے نہ کہ حضرت عمرؓ کی خوشنودی..........

(باقی صفحہ نمبر ۱۴ پر)

اہل بیت کا مصداق کون؟

مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ

صاحب ایمان کو اہل بیت یعنی نبی کے گھر والوں سے محبت کرنا فطری تقاضہ کے ساتھ ساتھ انسانی تقاضہ بھی ہے اور ایمانی تقاضہ بھی اور اسی لیے اس کا مطالبہ بھی ہے کہ ان سے محبت کی جائے، محبت کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں، ایک طبعی محبت دوسری عقلی محبت، اور طبعی محبت کے سلسلہ میں معلوم ہے کہ آدمی کو اپنے گھر والوں سے طبعی محبت ہوتی ہے، اور رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کو بھی اپنے گھر والوں سے یہ طبعی محبت تھی، اور بلاشبہ آپ ﷺ کی یہ محبت اس وقت مزید بڑھ جاتی تھی جب آپ کے گھر والے آپ کے دعوت کے کاموں کو آگے بڑھانے میں پیش پیش ہوتے تھے،

کیونکہ اصلاً وہی لوگ اہل بیت ہیں جو ایک طرف آپ کے گھر سے نسبی اعتبار سے تعلق رکھتے ہوں اور دوسری طرف آپ ﷺ سے ان کا تعلق دین کی بنیاد پر بھی ہو، یعنی وہ نبی کے راستہ پر ہوں، اور نبی کے کام کو لے کر آگے بڑھنے والے ہوں، انہی کو اہل بیت کہتے ہیں، لیکن ان دونوں چیزوں میں سے ایک چیز بھی نہ ہو تو اس شخص پر اہل بیت کا اطلاق نہیں ہوسکتا، اسی طرح وہ لوگ جو گھر والوں میں نسبی اعتبار سے تو ہیں لیکن عادات واطوار کے اعتبار سے وہ باہر والوں کے ساتھ ہیں تو ان کا شمار اہل بیت میں نہیں ہوگا، جس کی شاندار مثال حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ ہے، جب حضرت نوح علیہ السلام نے طبعی محبت کی بنیاد پر اپنے بیٹے کو بچانا چاہا تو کہا تھا ﴿إِنَّ ابُنِيُ مِنُ أَهُلِي﴾ (هود:۱۱)(اے میرے رب! میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے)۔ لیکن چونکہ وہ کافروں کے ساتھ تھا اس لیے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ﴿إِنَّهُ لَيُسَ مِنُ أَهُلِكَ﴾ (هود:٤٦)(وہ آپ کے گھر والوں میں سے نہیں ہے)

اہل کے اندر اگر اہلیت ہوتی ہے تو وہ اہل ہوتا ہے اور جب اہلیت ہی نہ ہو تو اہل نہیں ہوسکتا اور اہلیت کے نہ ہونے کی وجہ ایمان کا نہ ہونا ہے، مثلاً: اہلیہ (بیوی) کو اہلیہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ انسان نے جس عورت سے شادی کی ہے تو گویا کہ اس نے اس کو اپنے گھر کے لائق سمجھا اور اس بات کا اہل سمجھا ہے کہ اس سے شادی ہوسکتی ہے اسی لیے اس کو اہلیہ کہا جاتا ہے،، کیونکہ عربی زبان میں اہل اس کو کہتے ہیں جس سے آبادی ہو بربادی نہ ہو، سکون ہو بے چینی نہ ہو، جس سے اضافہ ہو کمی نہ ہو، جس سے اچھا لگے برا نہ لگے، اور جس سے نباہ ہوسکے، خرابی نہ ہو، ان صفات کے حامل انسان کو اہل کہتے ہیں۔

اسی طرح اہل بیت میں آپ کے خاندان کے وہ افراد ہیں جو آپ کے لگائے ہوئے پودوں کو پانی دینے والے ہوں اور آپ کے چلائے ہوئے کام کو آگے بڑھانے والے ہوں، دین کے کاموں میں اضافہ کرنے والے ہوں، دعوت کو پھیلانے والے ہوں، اگر یہ بات نہیں ہے تو وہ اہل بیت کی فہرست سے خارج ہیں، اسی لیے وہ تمام روافض جو اپنے کو اہل بیت ہونے کا دعوی کرتے ہیں، وہ سب خارج ہیں، ان کا اہل بیت سے کوئی تعلق نہیں، اسی لیے یہ بات اچھی طرح ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اگر انسان میں اہلیت ہو تو وہ اہل ہے اور اہل بیت میں سے ہے، اور اگر اہلیت نہیں ہے تو وہ اہل بیت میں سے نہیں ہوسکتا ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اہلیت والا ہے، لیکن نسبی اعتبار سے آپ کا گھر والا نہیں تو اس کی اہلیت کی بنیاد پر اس کو اہل بیت ہی میں شمار کیا جائے گا، جیسا کہ آپ ﷺ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "سلمان منا اهل البيت،" حالانکہ حضرت سلمانؓ ایران کے رہنے والے اور خالص عجمی ہیں لیکن پھر بھی آپ ﷺ نے فرمایا: یہ میرے گھر والوں میں سے ہیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ جو عجمی ہیں وہ بھی گھر والوں میں سے ہوسکتے ہیں اور جتنے عربی ہیں وہ تو گھر والوں میں سے ہی ہیں، البتہ جو عجمی ہیں، جن سے کوئی رشتہ داری نہیں اور وہ باہر کے رہنے والے ہیں جیسے ایرانی اور افغانی، مثلاً: حضرت صہیبؓ رومی تو یہ بھی اہل بیت میں سے ہوسکتے ہیں، گویا جو شخص اپنی اہلیت جتائے اور اللہ کی راہ میں محنتیں کرے، مشقتیں اٹھائے اور ریاضتیں کرے تو وہ اہل بیت میں شامل ہو جائے گا۔

الغرض اہل بیت کی فہرست میں نمبر ایک پر وہ ہوں گے جو رشتہ کے اعتبار سے قریب ہیں اور دین کے کام کرنے کے اعتبار سے بھی قریب ہیں، جیسے : حضرت فاطمہ، حضرات حسنین، حضرت علی اور حضرت حمزہ، حضرت جعفر رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ اسی طرح دیگر

حضرات جو رشتہ کے اعتبار سے قریب سے قریب تر ہیں، یعنی آپ کی بیٹیاں، اور آپ کے بیٹے، اور آپ کی ازواج مطہرات بھی آپ کے گھر والوں میں شامل ہیں، اور اس کے بعد جو جتنا قریب تر رشتہ دار ہوگا وہ اتنا ہی اہل بیت میں سے ہوگا اور اس کے بعد اہل بیت کی فہرست میں وہ لوگ بھی شمار ہوں گے جو آپ کے کام کرنے میں معاون ہیں۔

لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ جو حضرات اہل بیت کی فہرست میں نسبی اور دینی کام کرنے کے اعتبار سے آتے ہیں ان سے نفرت کرنے یا ان کے خلاف کہنے میں انسان کو بہت محتاط رہنا چاہیے کیونکہ اپنے گھر والوں سے انسان کا محبت کرنا طبعی بات ہے، لہٰذا ہم میں سے اگر کسی نے ذرہ برابر بھی کسی بھی گھر والے کے تعلق سے کوئی ایسی بات کہہ دی جو ان کی شان کے خلاف تھی تو یہ بات اللہ کے رسول ﷺ کی تکلیف کا باعث بن سکتی ہے، اور نبی کو تکلیف دینا ایمان کے خاتمہ کا سبب بن سکتا ہے۔

روایت میں آتا ہے کہ وہ وحشی جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا جب داخل اسلام ہوا تو آپ ﷺ نے اس کے ایمان کو قبول فرمالیا حالانکہ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو اس کو قبول مشکل ہی سے کرتا، کیونکہ ان کا جرم نہایت سنگین تھا، لیکن چونکہ اسلام کا دامن وسیع ہے، اس میں جو شخص چاہے داخل ہوسکتا ہے، لہٰذا وہ بھی آگئے اور انہوں نے ایمان قبول کرلیا، لیکن پھر بھی حضور اکرم ﷺ کو اپنے پیارے چچا جان سے طبعی محبت کی بنیاد پر آپ نے ان وحشی سے کہا کہ یہ بتاؤ تم نے میرے چچا کو کیسے مارا تھا؟ تو انہوں نے پورا نقشہ کھینچا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے آنسو جاری ہوگئے، اور پیارے چچا یاد آگئے، کیونکہ وہ آپ ﷺ سے بہت محبت کرتے تھے، اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ کو بھی ان سے بے پناہ محبت تھی، لہٰذا آپ ﷺ نے حضرت وحشیؓ سے ایک بات کہی- جو کہ قابل عبرت بات ہے- آپ ﷺ نے فرمایا: وحشی اگر تم سے یہ ہوسکے کہ میرے سامنے نہ آؤ تو ایسا کرلو، کیونکہ میں جب تم کو دیکھوں گا تو پیارے چچا یاد آجائیں گے، واضح رہے کہ آپ ﷺ کے اس ارشاد کا یہ مقصد نہیں تھا کہ آپ کو حضرت وحشی سے نعوذ باللہ کچھ کدورت ہوگئی تھی بلکہ یہ اس لیے کیا کہ جب وہ سامنے آئیں گے تو آپ ﷺ کو اپنے چچا یاد آئیں گے اور دلی تکلیف ہوگی، اور آپ ﷺ کی یہ دلی تکلیف ان کے ایمان کے خاتمہ اور جنت سے محرومی کا سبب بن جائے گی، لہٰذا شفقتہً آپ ﷺ نے ان سے یہ کہا کہ آپ میرے سامنے نہ آنا تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لاشعوری میں ان کا ایمان ہی چلا جائے۔

اس واقعہ سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص حضرت علی یا حضرت حسن یا حضرت حسین، حضرت فاطمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ یا کسی بھی اہل بیت کے بارے میں غلط خیال رکھتا ہے، تو اس سے آپ ﷺ کو کس قدر تکلیف ہوگی، اسی وجہ سے اس طرح کی ذہنیت رکھنے والے لوگوں کا خاتمہ ہمیشہ برا ہی ہوتا ہے، غالباً اسی بنیاد پر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: اہل بیت کی محبت کو حسن خاتمہ میں بڑا دخل ہے، اسی لیے جب حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے انتقال کے وقت پوچھا گیا کہ آپ کا کہنا تھا ''اہل بیت سے محبت میں حسن خاتمہ کو بڑا دخل ہے'' لہٰذا اب آپ آخری وقت میں خود کو کیسا محسوس کر رہے ہیں؟ تو جان نکلتے ہوئے فرمایا: ماشاء اللہ مجھے اس کا اثر محسوس ہورہا ہے اور میرا ایمان پر خاتمہ ہورہا ہے، گویا اس سے بھی معلوم ہوا کہ اہل بیت کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تعلق سے بہت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔

محبت کے تعلق سے یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ انسان محبت کرنے میں ان لوگوں کے راستہ پر نہ چلا جائے جنہوں نے ظاہر میں اہل بیت کی محبت کا ڈھنڈورا پیٹ رکھا ہے، حالانکہ اگر دیکھا جائے تو اہل بیت کے سب سے بڑے دشمن بھی وہی ہیں، اور یہ دنیا کا شروع سے دستور رہا ہے کہ جن لوگوں کے اندر جو چیز نہیں ہوتی وہ اسی کا ڈھنڈورا زیادہ پیٹتے ہیں، اسی طرح جن کو اہل بیت سے محبت نہیں ہے وہی لوگ محبت کا زیادہ شور کرتے ہیں، حالانکہ محبت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی کے بے جا فضائل بیان کئے جائیں۔

شیعوں کی مخالفت کرنا گرچہ عین ایمان ہے کیونکہ جتنا انہوں نے اہل بیت کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور نبی اکرم ﷺ کو نقصان اور تکلیف پہنچائی ہے اتنی شاید ہی کسی قوم نے کسی کو پہنچائی ہو، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ ہم ان کی مخالفت میں اتنے آگے نہ چلے جائیں کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما و حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ہمارا دل صاف نہ ہو، کیونکہ اگر ایسا ہوا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارا ایمان خطرہ میں پڑ جائے گا۔

سیرت نبوی ﷺ

گزشتہ سے پیوستہ

قرآن کریم کے آئینہ میں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

نافرمانوں کا انجام

بات نہ ماننے والوں اور نافرمانی کرنے والوں کے انجام کا تذکرہ قرآن مجید میں متعدد جگہ کیا گیا ہے، ایک جگہ ان کی حسرت و یاس کو بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے ﴿يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُواْ وَعَصَوُاْ الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّى بِهِمُ الأَرْضُ﴾ (النساء: ۴۲) (جنھوں نے انکار کیا اور رسول کی بات نہ مانی اس دن وہ تمنا کریں گے کہ کاش کہ وہ مٹی میں ملا دیئے گئے ہوتے)۔

سورۂ انفال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے والوں اور ان سے دشمنی مول لینے والوں کو سخت آگاہی دی جارہی ہے کہ ﴿وَمَن يُشَاقِقِ اللّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (الأنفال: ۱۳) (اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی مول لیتا ہے تو بلاشبہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے)

اور حقیقت یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کی نافرمانی وہی کرے گا جو اپنی خواہشات کے پیچھے چلے گا، اس کے سامنے صرف اپنی چاہتیں اور دولت وعزت کی ہوس ہوگی، اس کو نہ سچ کی تلاش ہوگی اور نہ وہ اپنے خالق ومالک کی طرف سے آئے ہوئے حق کو پہچاننا چاہے گا، ارشاد ربانی ہے ﴿فَإِن لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (القصص: ۵۰) (پھر اگر وہ آپ کا جواب نہیں دیتے تو جان لیجیے کہ وہ بس اپنی خواہشات پر چلتے ہیں اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش پر چلے! بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا)۔

جو لوگ اسلام ظاہر کرتے تھے اور ان کے اندر کفر ونفاق بھرا ہوا تھا وہ آنحضور ﷺ کی مجلس میں آتے تھے، اور لگتا تھا کہ بہت توجہ سے بات سن رہے ہیں، لیکن جب باہر نکلتے تو تمسخر کا انداز اختیار کرتے اور ان کے اندر کا نفاق باہر آنے لگتا تھا، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں کو مہر بند کر دیا ہے، اور فرمایا کہ یہ خواہش پرست اور نفس پرست لوگ ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے ﴿وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّى إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِندِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفاً أُوْلَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءهُمْ﴾ (محمد: ۱۶) (اور ان میں وہ بھی ہیں جو کان لگا کر آپ کی بات سنتے ہیں پھر جب آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو اہل علم سے پوچھتے ہیں کہ انھوں نے ابھی کیا کہا؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے اور وہ اپنی خواہشات پر چلے ہیں)۔

ایک آیت میں کفر کا اللہ کے راستہ سے روکنے اور اللہ کے رسول ﷺ سے دشمنی کرنے کا ایک ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے اور پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ چیزیں وہ ہیں جو بڑے سے بڑے کام کو بے کار کر دیتی ہیں اور ایسا کرنے والے کسی کا نقصان نہیں کرتے بلکہ اپنا نقصان کرتے ہیں، ارشاد ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئاً وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ﴾ (محمد: ۳۲) (یقیناً جنھوں نے انکار کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا اور اپنے پاس راہ ہدایت آنے کے بعد بھی رسول سے دشمنی کی وہ ہرگز اللہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتے اور وہ ان کے سب کام غارت کردے گا)۔

سورۂ نساء میں بھی اسی مضمون کو وضاحت کے ساتھ یوں بیان کیا گیا ہے: ﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءتْ مَصِيراً﴾ (النساء: ۱۱۵) (اور جو صحیح راستہ سامنے آجانے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے گا اور اہل ایمان کے راستہ سے ہٹ کر چلے گا تو وہ جدھر بھی رخ کرے گا اسی رخ پر ہم اس کو ڈال دیں گے اور اس کو جہنم رسید کریں گے اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے)۔

اس آیت شریفہ میں "وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ" سے بڑے حقائق سامنے آتے ہیں، ایک طرف اطاعت کے دائرہ کو وسیع کیا جارہا ہے، اس کی تفصیلات سے آگاہ کیا جارہا ہے، اور دوسری طرف یہ حقیقت بھی بیان کی جارہی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے حضرات صحابہ وہ ہیں کہ مکمل اطاعت کرکے

مطیع سے مطاع کے درجہ پر فائز ہوئے اور پھر ہر دور میں ایسے لوگ رہیں گے جو اطاعت کاملہ کا مظہر ہوں گے اور مکمل اطاعت کر کے ان کو بھی یہ مقام حاصل ہوگا کہ وہ خود اطاعت کے قابل ہوں گے، ان کا ہر ہر عمل اللہ کے رسول ﷺ کے مبارک عمل کے پوری طرح مطابق ہوگا، اس لیے ان کی اطاعت بھی اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت ہوگی، اور امت میں ایک ایسا طبقہ ہر دور میں رہے گا جو گمراہی کا شکار نہیں ہوگا اور اس کا کسی بات پر متفق ہوجانا اس بات کے حق ہونے کی دلیل سمجھی جائے گی، یہ وہی طبقہ ہوگا جس کی عملی زندگی بھی پوری طرح اللہ کے رسول ﷺ کے موافق ہوگی، اسی لیے ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "لا تجتمع أمتي علی ضلالۃ"، (میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی)۔

اہل کتاب کا انکار

آپ ﷺ کی بعثت کے وقت دو قومیں ایسی تھیں جن کے پاس سابقہ کتب سماویہ کسی نہ کسی شکل میں موجود تھیں، گرچہ ان میں شدید تحریفات ہوچکی تھیں، لیکن بہت سے احکامات اپنی اصل شکل میں باقی تھے، اور ان کتابوں میں آنحضور ﷺ کی آمد کی خبر دی گئی تھی، ان میں یہودی بڑی تعداد میں مدینہ منورہ میں مقیم تھے، اور عیسائیوں کی بھی ایک بڑی تعداد آس پاس کے علاقوں میں موجود تھی، یہودیوں کا حال تو یہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے اوس وخزرج پر بار بار یہ بات جتلاتے تھے کہ ایک نبی آنے والا ہے اس کے آنے کے بعد ہماری طاقت سب سے بڑھ کر ہوگی، چونکہ اب تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد میں نبوت کا سلسلہ بنو اسحاق میں چلا آرہا تھا اس لیے یہودیوں کا خیال یہ تھا کہ یہ آخری نبی بھی بنو اسحاق ہی میں ہوگا، گرچہ ان کی کتابوں میں جو پیشن گوئی تھی اس میں بعض اشارات اس کے موافق نہ تھے، مگر یہ ان کی اندر کی خواہش تھی جس کو وہ چھپائے بیٹھے تھے، چنانچہ جب آپ ﷺ کی بعثت ہوئی اور اوس وخزرج نے ایمان لانے میں پہل کی، تو یہودیوں کے سینوں پر سانپ لوٹ گیا، ان کو نہ کسی کی برتری گوارہ تھی اور نہ بنو اسحاق سے ہٹ کر کسی کا نبی ہونا گوارہ ہوا، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ علامات سے پہچان کر سب سے زیادہ آخری نبی کا استقبال کرتے، اس پر ایمان لاتے، اور معاون بنتے، وہ بجائے اس کے شدید دشمنی پر اتر آئے، اللہ تعالیٰ ایک جگہ ان کی نبیوں کے ساتھ بدعہدی، بدسلوکی، اور ان کے متکبرانہ مزاج کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِن بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقاً كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقاً تَقْتُلُونَ﴾ (البقرۃ: ۸۷) (اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے بعد مسلسل رسول بھیجے اور عیسیٰ بن مریم کو کھلی نشانیاں دیں اور روح القدس سے ان کی تائید کی پھر بھی کیا (ایسا نہیں ہوا کہ) جب بھی کوئی رسول تمہارے پاس ایسی چیزوں کے ساتھ آیا جو تمہاری من چاہی نہ تھیں تو تم اکڑ گئے تو کچھ (نبیوں) کو تم نے جھٹلا دیا اور کچھ کو قتل کرنے پر لگ گئے)۔

آگے ان کی ہٹ دھرمی اور اس کے نتیجہ میں اللہ کے غضب کا تذکرہ ہے، ارشاد ہوتا ہے ﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْاْ بِهِ أَنفُسَهُمْ أَن يَكْفُرُواْ بِمَا أنَزَلَ اللّهُ بَغْياً أَن يُنَزِّلُ اللّهُ مِن فَضْلِهِ عَلَى مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ فَبَآؤُواْ بِغَضَبٍ عَلَى غَضَبٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ (البقرۃ: ۹۰) (بدترین سودا کیا انھوں نے اپنی جانوں کا کہ وہ اس چیز کا انکار کرنے لگے جو اللہ نے اتاری، محض جلن میں کہ اللہ اپنے فضل کو اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے نازل فرماتا ہے، تو غصہ پر غصہ لے کر وہ پھرے اور انکار کرنے والوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے)۔

ان نشانیوں کے باعث جو تورات وانجیل میں بصراحت موجود تھیں، ان کو یقین تھا کہ آپ ہی اللہ کے نبی ہیں، مگر اس کے باوجود محض ہٹ دھرمی میں ماننے کو تیار نہ تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءهُمْ وَإِنَّ فَرِيقاً مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (البقرۃ: ۱۴۶) (جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور یقیناً ان میں کچھ لوگ جانتے بوجھتے حق کو چھپاتے ہیں)۔

یہی بات سورۂ انعام میں بھی کہی گئی ﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءهُمُ الَّذِينَ خَسِرُواْ أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لاَ يُؤْمِنُونَ﴾ (الأنعام: ۲۰)...... (باقی صفحہ نمبر ۱۸ پر)

نماز کے فرائض

مفتی راشد حسین ندوی

اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے کہ نماز کے فرائض دو طرح کے ہیں، ایک وہ جن کا کرنا نماز کی صحت کے لیے ضروری ہوتا ہے، لیکن وہ نماز سے باہر کی چیزیں ہوتی ہیں، جیسے وضوء اور نیت وغیرہ، ان کو نماز کی شرائط کہا جاتا ہے، اور ان پر تفصیلی بحث ہم کر چکے ہیں، دوسرے فرائض وہ ہیں جو نماز کے اندر کی چیزیں ہوتی ہیں، جیسے رکوع اور سجدہ وغیرہ، ان کو نماز کے ارکان کہا جاتا ہے، اور عام طور سے جب نماز کے فرائض کا ذکر کیا جائے تو اس سے مراد یہی چیزیں ہوتی ہیں، ذیل میں ہم انہیں فرائض کا ذکر کر رہے ہیں۔

نماز کے فرائض چھ ہیں

(۱) تکبیر تحریمہ کہنا، یعنی نماز شروع کرتے وقت "اللہ اکبر" وغیرہ سے نماز شروع کرنا، تکبیر تحریمہ دراصل نماز کی شرائط میں سے ہے، لیکن نماز سے متصل ہونے کے سبب اس کا ذکر یہاں بھی کر دیا گیا

(۲) فرض، واجب اور نذر کی نمازوں میں قیام کرنا۔

(۳) فرض کی پہلی دو رکعتوں اور فرض کے علاوہ بقیہ نمازوں کی تمام رکعات میں قرآن کی تلاوت کرنا۔

(۴) رکوع کرنا

(۵) سجدہ کرنا

(۶) تشہد پڑھنے کے بقدر قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنا۔

(ہدایہ: ۸۲/۱، ہندیہ: ۶۸/۱-۷۱)

تکبیر تحریمہ کا حکم خود قرآن مجید میں آیا ہے ارشاد ہے: ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ (المدثر: ۳) (اور اپنے رب ہی کی بڑائی بیان کیجئے)۔

حدیث میں مزید صراحت سے ارشاد ہے: "عن علی أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال......الخ". (حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نماز کی کنجی طہارت ہے اور اس کی تحریمہ تکبیر ہے) (ابوداؤد، ترمذی)

اس تکبیر کو تحریمہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے کہہ لینے کے بعد آدمی نماز میں داخل ہو جاتا ہے اور وہ بہت سی چیزیں جو نماز سے باہر جائز تھیں ناجائز ہو جاتی ہیں، مثلاً: بات چیت کرنا یا عمل کثیر کرنا وغیرہ، اس لیے کہ تحریم کے معنی ہی کسی چیز کو حرام کر دینے کے ہیں۔ (شامی: ۳۲۶/۱)

تکبیر تحریمہ کے چند ضروری مسائل:

۱- "اللہ اکبر" صحیح صحیح ادا کرنے کی مشق کسی واقف کار سے ضرور کرا لینی چاہیے، اس لیے کہ اگر "اللہ" کے "الف" کو کھینچ کر "آللہ اکبر" کہہ دیا تو اس کے معنی سوال کے ہو جائیں گے کہ "کیا اللہ بڑا ہے"، یہی حال اس وقت ہوگا جب "اکبر" کے "الف" کو کھینچ کر "آکبر" کہا جائے، اس طرح کہنے سے تحریمہ صحیح نہیں ہوگی، اور جب تحریمہ صحیح نہیں ہوگی تو نماز کی شروعات ہی نہیں ہو پائے گی، اس لیے بہت توجہ کی ضرورت ہے، اسی طرح "اکبر" کہتے وقت "باء" اور "راء" کے درمیان "الف" بڑھا کے "اکبار" کہا جائے، تب بھی معنی میں بڑی خرابی آتی ہے، اور نماز کی شروعات ہی نہیں ہو پاتی، بلکہ درمیان نماز میں بھی تکبیر کہتے وقت یہ غلطی ہو جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، اور جان بوجھ کر ایسا کرنا بہت گناہ کا کام ہے، فقہاء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔

(ہندیہ: ۶۸/۱، شامی: ۳۵۴/۱-۳۵۵)

۲- جب نماز امام کے ساتھ پڑھ رہا ہو تو امام کے تحریمہ سے فارغ ہونے کے بعد تحریمہ کہنا افضل ہے، ساتھ ساتھ تحریمہ کہے تب بھی صحیح ہے، لیکن اگر امام سے پہلے تحریمہ کہہ لیا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، پھر سے تحریمہ کہے ورنہ نماز صحیح نہیں ہوگی، یہاں تک کہ اگر "اللہ" امام کے ساتھ کہا اور "اکبر" امام سے پہلے کہہ دیا تب بھی نماز کی شروعات صحیح نہیں ہوگی، پھر سے تحریمہ کہے۔

(شامی: ۳۵۴/۱، ہندیہ: ۶۸/۱-۶۹)

۳- تکبیر تحریمہ حالت قیام میں کہنا ضروری ہے، لہٰذا اگر کوئی بیٹھ کر تحریمہ کہے پھر کھڑا ہو جائے تو نماز صحیح نہیں ہوگی، یہاں تک کہ اگر امام رکوع میں ہو تو تحریمہ حالت قیام میں کہہ کر پھر رکوع میں جائے، ورنہ اگر رکوع کی حالت میں تحریمہ کہا یا "اللہ" تو حالت قیام میں کہا لیکن "اکبر" رکوع کی حالت میں کہا تو نماز صحیح نہیں ہوگی،

البتہ یہ حکم انہیں نمازوں کے لیے ہے جن میں قیام فرض ہے، نفلی نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے، تو اس میں تحریمہ بھی بیٹھ کر کہنا جائز ہے، یہی حکم بیمار کی نماز کا بھی ہے۔ (ہندیہ:۱/۶۸، شامی:۱/۳۵۵)

قیام کے احکام

قیام کا حکم خود قرآن مجید میں دیا گیا ہے، ارشاد ہے: ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ (البقرۃ: ۲۳۸) (تمام نمازوں (خاص طور سے) درمیانی نماز کی اچھی طرح دیکھ ریکھ رکھو اور اللہ کے لیے ادب کے ساتھ کھڑے ہوا کرو)۔ اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: مجھے بواسیر کا مرض تھا تو میں نے نبی کریم ﷺ سے نماز کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: کھڑے ہو کر پڑھو، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھو، اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر پڑھو۔ (بخاری)

نماز میں قیام کرنا فرض، واجب (جیسے وتر اور نذر نمازیں) اور ایک قول کے مطابق فجر کی سنت میں فرض ہے، بشرطیکہ معذور ہو، اگر کوئی معذور ہو تو اس کو یہ نمازیں بیٹھ کر بلکہ لیٹ کر پڑھنا جائز ہے، جیسا کہ اوپر حدیث میں گزر چکا ہے، جہاں تک نوافل کا تعلق ہے تو ان کو بلا عذر بھی بیٹھ کر پڑھا جا سکتا ہے، لیکن بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے کی صورت میں ثواب آدھا ہو جائے گا۔

(شامی:۱/۳۲۸، ہندیہ:۱/۶۹)

اس لیے کہ حدیث شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آدمی کا بیٹھ کر نماز پڑھنا نصف نماز ہے۔ (بخاری و مسلم)

اور قیام کی حد یہ ہے کہ ہاتھ پھیلانے سے گھٹنے پر نہ پڑیں، ورنہ قیام معتبر نہیں ہوگا، (الا یہ کہ معذور ہو)۔

(شامی:۱/۳۲۸، ہندیہ:۱/۶۹)

قرأت کے احکام

(۱) نماز میں قرأت کا حکم بھی قرآن مجید سے ثابت ہے، ارشاد ہے: ﴿فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ (المزمل: ۲۰) (بس اب جو آسانی سے ہو سکے قرآن پڑھ لیا کرو)

(۲) قرأت کی فرضیت ایک آیت پڑھنے سے بھی ادا ہو جاتی ہے بشرطیکہ وہ کم از کم دو یا اس سے زیادہ کلمات والی آیت ہو، جیسے ﴿ثُمَّ نَظَرَ﴾ اور اگر اس سے بھی چھوٹی آیت ہو، جیسے ﴿مُدْهَامَّتَانِ﴾ ﴿ق﴾ ﴿ن﴾ تو صحیح قول کے مطابق فرضیت بھی ادا نہیں ہوگی، جہاں تک وجوب کا تعلق ہے تو آگے آئے گا کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا الگ واجب ہے، اور اس کے ساتھ تین چھوٹی آیات کا ملانا الگ واجب ہے، کسی ایک کو بھی جان بوجھ کر چھوڑ دیا جائے تو نماز نہیں ہوگی۔ (ہندیہ:۱/۶۰، شامی:۱/۳۲۹)

(۳) وتر نیز ہر طرح کی سنت اور نفل نماز کی ہر ہر رکعت میں قرأت فرض ہے، جب کہ فرض نمازوں کی غیر متعین طور سے دو رکعات میں قرأت فرض ہے۔ (شامی:۱/۳۲۹)

(۴) گونگا چونکہ قرأت نہیں کر سکتا، اس لیے وہ پوری نماز خاموش رہ کر پوری کرے گا اس لیے کہ ہونٹوں کو حرکت دینا ضروری نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں۔ (شامی:۱/۳۵۶)

رکوع اور سجود کے احکام

رکوع اور سجود کا حکم قرآن مجید میں جگہ جگہ وارد ہوا ہے، مثلاً ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا﴾ (الحج: ۷۷) (اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو)۔

رکوع کے لفظی معنی پیٹھ موڑنے کے ساتھ ساتھ سر جھکانے کے ہیں، لیکن مکمل رکوع یہ ہے کہ ریڑھ کو اتنا موڑا جائے کہ سر سرین کے برابر میں آجائے، اگر اتنا نہیں موڑا تو اگر اتنا کم موڑا کہ قیام سے قریب تھا تو رکوع معتبر نہیں ہوگا، اور اگر رکوع کی حالت سے قریب ہے تو رکوع معتبر ہو جائے گا۔ (شامی:۱/۳۳۰)

جہاں تک سجود کا تعلق ہے تو سجدہ کے لفظی معنی: خضوع یعنی جھکنے کے ہیں، لیکن کامل سجدہ وہ ہے جس میں سات اعضاء (پیشانی، ناک، دونوں پیر، دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے) ٹیکے جائیں، ان میں سے پیشانی یا ناک رکھنا فرض ہے، دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے رکھنا سنت ہے، اور دونوں قدموں کا رکھنا فرض یا واجب ہے۔

(حلبی کبیر:۲۸۲، کتاب المسائل:۱/۲۸۵)

جہاں تک قعدۂ اخیرہ کا تعلق ہے تو اس کی فرض مقدار یہ ہے کہ اتنی دیر بیٹھے جس میں جلدی جلدی "التحیات" پڑھنا ممکن ہو۔

(ہندیہ:۱/۷۰)

شہادت حسین کا پیغام

عبدالسبحان ناخدا ندوی

خواہشات جب دین کا لبادہ اوڑھتی ہیں تو بدعات وجود میں آتی ہیں، ان کا اگر گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو بدعات کے پیچھے کچھ اس طرح کی نفسیات نظر آتی ہیں، اللہ کا دین ناکافی ہے، اللہ کا دین مشکل ہے، اللہ کا دین غیر ضروری ہے۔

پہلی شکل رہبانیت کو جنم دیتی ہے، دوسری صورت خواہش پرستی، سہولت پسندی اور بے عملی کی طرف لے جاتی ہے، اسی سے پھر انسان تیسرے اور آخری اسٹیج پر پہنچتا ہے۔

فی الوقت جو بدعات رائج ہیں اس میں دوسری صورت زیادہ کارفرما نظر آتی ہے، چونکہ مکار ذہنیت دین کے نام پر بھی دین سے فرار چاہتی ہے، اس لیے دینداری کے بھرم کو باقی رکھنے کے دعوے پر پرفریب بدعتیں وجود میں آتی ہیں، جس کے نتیجہ میں پہلے بددینی اور آخر میں مکمل بے دینی آہی جاتی ہے، دین مکمل طور پر رسومات اور خرافات کا مجموعہ بن جاتا ہے، یہود میں استخفاف بالدین کا روگ تھا جس کی وجہ سے دین اسی طرح خواہشات کی بھینٹ چڑھ گیا، کہ دین کے نام پر خواہش پرستی یا صحیح الفاظ میں مکمل نفس پرستی وجود میں آگئی، جس کے بعد پھر انبیاء جھٹلائے جانے لگے اور قتل کئے جانے لگے، وجہ صرف یہ تھی کہ دین کو نفسانی خواہشات کے بھینٹ چڑھا دیا گیا تھا۔

﴿أَفَكُلَّمَا جَاءكُمْ رَسُولٌ بِمَا لاَ تَهْوَى أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقاً كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقاً تَقْتُلُونَ﴾ ”تو کیا ایسا نہیں ہوا؟ کہ جب بھی تمہارے پاس رسول وہ پیغام لے کر آئے جو تمہاری نفسانی خواہش کے مطابق نہیں ہوتا تو تم تکبر کرنے لگتے (اسی کا نتیجہ تھا) ایک طبقہ کو جھوٹا قرار دیا اور ایک اور طبقہ کو قتل بھی کرتے تھے۔“

یہود کی تمام بدعات وخرافات کا دروازہ اسی تصور سے کھلا کہ اللہ کا دین بہت مشکل ہے، نصاریٰ بالکل اس کے الٹے چلے، انہوں نے اللہ کے عطا کئے ہوئے دین کو ناکافی سمجھا، پھر غلط قسم کی رہبانیت کے ذریعہ دین کے نام پر وہ تماشے کئے کہ نہ دین کے رہے اور نہ دنیا کے رہے، خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین کو ایک معمہ بنا دیا، پھر اسی عجوبے یا معمہ کو دین کی بنیاد قرار دے کر ہمیشہ کے لیے صحیح دین کو کھو دیا، عیسائیت کی گمراہی کے پیچھے یہی تصور ملے گا کہ اللہ کا دین ناکافی ہے، قرآن مجید اسی کو ”غلو فی الدین“ سے تعبیر کرتا ہے۔﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لاَ تَغْلُواْ فِي دِينِكُمْ وَلاَ تَقُولُواْ عَلَى اللّهِ إِلاَّ الْحَقِّ﴾ ”اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو، اللہ پر وہی بات کہو جو سچ ہے۔“

اور اسی سے ملتا جلتا معاملہ امت مسلمہ کے بعض طبقات کے ساتھ ہوا، بعض جانگداز واقعات کو بنیاد بنا کر اپنی پوری زندگی کو ان سے وابستہ کر دیا گیا، اس طرح کے وہی اصل دین بن گیا، حد سے بڑھی ہوئی مظاہر پرستی نے رسومات اور خرافات کا دہانہ کھول دیا، جس دین کی سربلندی کے لیے اہل بیت رسول (ﷺ) نے اپنے پورے گھرانے کو قربان کیا تھا، اسی واقعہ کو حجاب بنا کر دین کے رخ زیبا کو اوجھل کرنے کی کوشش کی گئی، اس کے ذریعہ حق وصداقت اور ایثار وعزیمت کے جو سبق ملتے تھے ان کو فراموش کر کے ان کی جگہ آہ وبکا، کم ہمتی اور بے چارگی کے سبق امت کو پڑھانے لگے، یہ تاریخی جرم مسلسل ہوتا رہا اور ان نفوس قدسیہ کی شہادت کا اصل پیغام نگاہوں سے اوجھل ہوتا رہا۔

حضرت حسینؓ کے شہادت کا جانگداز واقعہ اسلامی تاریخ کے دل کا کاری زخم ہے، رسول اکرم (ﷺ) کا ہر وفادار سچا امتی اس کی چوٹ اپنے دل پر محسوس کرتا ہے، اور تاریخ کے ان مکار وعیار محبت کا دم بھرنے والے دعویداروں کو معاف کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں جنہوں نے اپنے گھر بلا کر اس عظیم مہمان کو شہید کر ڈالا، اسی طرح وہ سفاک مجرم بھی کسی طور پر معافی کے قابل نہیں جنہوں نے خاندان نبوت کے ہنستے بستے گھرانے کو اجاڑنے کی کوشش کی، اور معصوم کلیوں تک کو مسل کر رکھ دینے میں کوئی عار محسوس نہیں کی، بے غیرتی اور محسن کشی کی تاریخ میں اس سے بڑی اور کوئی مثال نہیں ملتی، امت اس پر شرمسار ہے، یہ ساری باتیں اپنی جگہ درست ہیں، لیکن کیا حضرت حسینؓ کی شہادت کا یہی مقصد تھا کہ لوگ رونے رلانے، تعزیہ داری اور ماتم شعاری کو اپنا اصل دین بنا کر اس دین کو مٹا ڈالیں جسے آباد وشاداب رکھنے کے لیے اتنی بڑی قربانی دی گئی؟ یہ ان کی شہادت

کے ساتھ بڑا ظلم ہے۔

حق یہ ہے کہ حضرت حسینؓ سے دینی، روحانی، جذباتی محبت رکھنے والے حق وصداقت کے علمبردار ہوتے ہیں، تعزیہ کے علمبردار نہیں، جگر کا لہو دے کر گلشن اسلام کی آبیاری کرتے ہیں آنسوؤں کا ڈھونگ رچا کر نہیں، حسین سے سچی محبت رکھنے والے سنت رسول (ﷺ) کے اجالے بکھیرتے ہیں خرافات کے اندھیرے نہیں۔

اللہ تعالیٰ کو اپنا دین بہت عزیز ہے، اس کی مکمل پیروی کا حکم خود رسول اکرم (ﷺ) کو بھی تھا ﴿ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (پھر ہم نے آپ کو اس دین کے خالص راستہ پر مقرر کردیا، آپ اسی کی پیروی کریں، ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو کچھ نہیں جانتے)

رسول اللہ (ﷺ) نے اس مقدس امانت کو من وعن اپنی امت تک پہنچایا، اسی لیے اپنا مقدس خون بہایا، راتوں کو اٹھ اٹھ کر آنسوؤں کے نذرانے پیش کیے، اس راہ میں بڑی سے بڑی جو قربانی ہوسکتی ہے وہ دی، خود ہی ارشاد فرماتے ہیں:

''اللہ کے راستے میں مجھے جتنا ستایا گیا کسی کو نہیں ستایا گیا۔''

پھر حضرات صحابہ کرامؓ نے اس امانت کی حفاظت کی، حضرات خلفاء راشدین اس باب میں بھی سب سے ممتاز تھے، صدیق اکبرؓ ہوں یا فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ ہوں یا علی مرتضیٰؓ، اصحاب کرامؓ ہوں یا اہل بیت عظامؓ، ازواج مطہراتؓ ہوں یا بنات طیباتؓ، سب کا مشن یہی تھا کہ اس مبارک دین کی شمع فروزاں رہے، یہ چراغ کبھی بجھنے نہ پائے، اسی چراغ کو روشن کرنے کے لیے حضرت حسینؓ نے اپنے اہل خاندان کے ساتھ اللہ کے حضور جان کی قربانی پیش فرمائی، پھر یہی مبارک دین تابعین تبع تابعین حضرات محدثین، مصلحین ومجاہدین کے ذریعہ ہم تک پہنچا، اسی دین کو بعض نادان اور احمق بدعات وخرافات کے اندھیروں میں ڈھکیلنا چاہتے ہیں، نادان یہ نہیں جانتے کہ ان خرافات کے ذریعہ اذیت پہنچ رہی ہے، جن مبارک ومقدس ہستیوں نے دین وشریعت، اسلام وایمان، حق وصداقت کے لیے اپنا سب کچھ قربان کردیا تھا، کیا ان بدعات وخرافات سے وہ بہت خوش ہوں گے؟ اللہ نے فہم کی سلامتی دی ہے، اس کی روشنی میں غور کیا جائے۔

بقیہ: اصحاب رسول ﷺ کے چند امتیازی اوصاف

......حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے جب دیکھا کہ ان کے اور حضرت علیؓ کے اختلاف سے روم کا بادشاہ قیصر فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو حضرت امیر معاویہ نے قیصر روم کو ایک خط بھجوایا اور اس میں لکھا:

''مجھے اس بات کا علم ہوا ہے تم سرحد پر لشکر کشی کرنا چاہتے ہو، یاد رکھو! اگر تم نے ایسا کیا تو میں اپنے ساتھی (حضرت علیؓ) سے صلح کرلوں گا اور ان کا جو لشکر تم سے لڑنے کے لیے روانہ ہوگا، اس کے ہراول دستہ میں شامل ہوکر قسطنطنیہ کو جلا ہوا کوئلہ بنا کر رکھ دوں گا۔''

جب یہ خط قیصر روم کے پاس پہنچا تو وہ اپنے ارادہ سے باز آگیا اور لشکر کشی سے رک گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ کفر کے مقابلہ میں اب بھی ایک جسم وجان کی طرح ہیں اور ان کا اختلاف سیاسی لیڈروں کا اختلاف نہیں ہے۔

اور حضرت حسنؓ نے حضرت علیؓ کی وفات کے بعد منصب خلافت قبول کرلینے کے کچھ دن کے بعد خلافت سے صرف اس لیے دستبرداری اختیار کرلی کہ ایک متحدہ نظام قائم ہوجائے اور امت مجتمع ہوجائے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو بات قیصر روم کو کہلائی تھی کہ حضرت علی کے لشکر کے ایک سپاہی کے طور پر سامنے آئیں گے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہؓ کی امارت کو تسلیم کرکے عملی طور پر خود اسے کرکے دکھایا۔

صحابہ کی یہ خصوصیت تھی کہ اللہ کی رضا کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے والے اور آپس میں ایک دوسرے سے بڑی محبت وتعلق رکھنے والے تھے۔

انسان کی اصلاح وتربیت ہمیشہ انبیاء اور رسولوں کے پیش نظر رہی اور دعوت توحید وایمان کے ساتھ انہوں نے زمانہ کا جو بڑا مرض اور اخلاقی خرابی رہی ہے، اس کو بھی انہوں نے موضوع بنایا، خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کسی ایک عہد اور قوم کے ساتھ محدود نہیں تھی، ساری انسانیت کے لیے اور ہمیشہ ہمیش کے لیے تھی، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا دائرہ زیادہ وسیع اور ہمہ گیر ہے اور عہد بہ عہد اس سلسلہ کو آگے بڑھانے کا کام علماء ربانیین، مصلحین امت اور فاتحین ومجاہدین اور دیگر خادمین دین وملت نے انجام دیا اور اصلاح وتربیت کا عمل بلا انقطاع جاری ہے۔

بے پردگی کی تباہ کاری

محمد سمعان خلیفہ ندوی

خالقِ کائنات نے ہمارے لیے جو نظامِ زندگی تجویز کیا ہے اس میں ہمارے لیے سراسر بھلائی ہے، اس میں فطرت انسانی کی بھرپور رعایت اور انسانوں کو مکمل تحفظ فراہم کیا گیا ہے، آیئے دیکھیں بے حجابی اور بے پردگی میں کیا کچھ مضرتیں اور نقصانات پوشیدہ ہیں:

(۱) بے پردگی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی ہے؛ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا، اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا؛

(۲) بے پردگی اللہ کی رحمت سے محرومی کا سبب ہے؛ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت کے آخر میں کچھ ایسی عورتیں سامنے آئیں گی جو لباس میں ملبوس ہو کر بھی بے لباس اور عریاں ہوں گی، ان کے سر بختی اونٹوں کے کوہانوں کے مشابہہ (ڈولتے) ہوں گے، ایسی عورتوں پر لعنت بھیجو کیوں کہ وہ ملعون (اللہ کی رحمت سے محروم کردی گئی) ہیں۔

(۳) بے پردگی جہنمیوں کی صفت ہے؛ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: جہنمیوں کی دو قسموں پر میری ابھی نظر نہیں پڑی ہے: ایک تو ان لوگوں کی قسم ہے جن کے ہاتھوں میں گائے کی دم کی طرح کوڑے ہوں گے اور اس سے وہ لوگوں کو مارا کریں گے، دوسرے وہ عورتیں جو لباس پہن کر بھی عریاں ہوں گی........ (الحدیث)۔

(۴) بے پردگی محشر کے دن کی تاریکی اور ظلمت ہے؛ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بے جا بن سنور کر اپنے حسن کی نمائش کرتے ہوئے اپنے گھر سے نکلنے والی عورت کی مثال قیامت کے دن کی ظلمت کی طرح ہے اس کا کوئی نور نہیں ہوگا۔

(۵) بے پردگی نفاق ہے؛ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم میں بہترین خاتون وہ ہے جو اپنے شوہر سے بے پناہ محبت رکھنے والی ہو، خوب اولاد جننے والی ہو، شوہر کے مزاج سے ہم آہنگی اور مناسبت رکھنے والی اور اس کی غم خوار ہو، بشرطیکہ تقویٰ اس کے دل میں ہو۔ اور تم میں سب سے بدتر وہ خواتین ہیں جو بے پردگی کے ساتھ اکڑ کر چلتی ہیں، ایسی عورتیں درحقیقت منافق ہیں، یہ جنت میں ہرگز نہیں داخل ہوں گی مگر ''غراب اعصم'' کے بقدر۔

''غراب اعصم'' اس کوّے کو کہتے ہیں جس کی چونچ اور دونوں پیر سرخ ہوں، حدیث میں اشارہ اس طرف ہے کہ جس طرح کوّوں میں ایسے کوّے شاذ ونادر ہوتے ہیں ایسے ہی اس طرح کی عورتیں بہت کم جنت میں داخل ہوں گی۔

(۶) بے پردگی بے آبروئی اور عزت کو داغ دار کرنا ہے؛ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس عورت نے اپنے خاوند کے گھر کے علاوہ کسی اور جگہ پر اپنے کپڑے اتارے اس نے اپنے اور اللہ عزوجل کے درمیان موجود پردہ کو چاک کیا۔

(۷) بے پردگی بے حیائی ہے؛ عورت کو اللہ نے ستر بنایا ہے اور ستر کو کھولنا بے حیائی اور اللہ کی ناراضگی کو دعوت دینا ہے۔

(۸) بے پردگی ابلیس کا شعار ہے؛ ابلیس کے ساتھ جنت میں پیش آنے والا حضرت آدمؑ کا قصہ اس دشمنِ خدا کے دل میں پوشیدہ بے حیائی اور بے پردگی کی آخری درجہ پائی جانے والی حرص اور شدید خواہش کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۹) بے پردگی یہودیوں کی روش ہے؛ امت کو عورت کی آزادی کے نام سے جھانسہ دے کر قوموں کے اخلاقی معیار کو گرانے میں یہودیوں کا سب سے بڑا ہاتھ رہا ہے، رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی خبردار کردیا تھا کہ دیکھو! عورتوں کے فتنے سے خبردار رہنا، بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں سے متعلق تھا۔

(۱۰) بے پردگی جاہلیت کی گھناؤنی شکل ہے؛ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى﴾ (الاحزاب/۳۳) ''اور اپنے گھروں میں سکون سے بیٹھی رہنا اور جاہلیت قدیم کی طرح بن سنور کر بے پردہ مت نکلنا''۔

(۱۱) بے پردگی پستی اور تنزلی ہے؛ انسان کبھی بے پردہ ہونا نہیں چاہتا بے پردگی انسان کی فطرت نہیں بلکہ جانوروں اور درندوں کی سرشت ہے۔

(۱۲) بے پردگی برائی کا کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے؛ نگاہِ شریعت اور تاریخ کی نگاہِ عبرت دونوں یقین کے ساتھ بتاتی ہے کہ بے پردگی کے جلو میں کتنی گہری ظلمتیں پوشیدہ ہیں۔

جنتی شہید

محمد ارمغان بدایونی ندوی

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ (رضی اللہ عنہ) عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَا مِنْ أَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا، وَأَنَّ لَهُ مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ، غَيْرُ الشَّهِيدِ، فَإِنَّهُ يَتَمَنَّى أَنْ يَرْجِعَ فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ، لِمَا يَرَى مِنَ الْكَرَامَةِ. (صحیح مسلم: ۱۰۹)

ترجمہ:- حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں داخل ہونے کے بعد کوئی بھی شخص ایسا نہیں جو دنیا میں واپس آنے کی خواہش کرے گا، نہ ہی اس کے لیے زمین میں کوئی کام کی چیز ہوگی، سوائے شہید کے، بے شک وہ یہ تمنا کرے گا کہ واپس جائے اور پھر دسیوں مرتبہ قتل کیا جائے، اس وجہ سے جو اللہ کی طرف سے وہ اعزاز دیکھے گا۔

فائدہ:- اللہ کے راستہ میں اس کے دین کی سر بلندی کے لیے اپنی جان قربان کرنے والے کو ''شہید'' کہا جاتا ہے، قرآن و حدیث میں ایسے شخص کے متعلق بے شمار فضائل بیان کئے گئے ہیں، انبیاء و صدیقین کے بعد شہداء کے مقام کا تذکرہ فرمایا گیا ہے، شہادت کی موت نصیب ہونے والے کو ''زندہ'' کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِن لَّا تَشْعُرُونَ﴾ (البقرة: ۱۵۴) (اور جو اللہ کے راستہ میں مارے گئے ان کو مردہ مت کہو بلکہ (وہ) زندہ ہیں البتہ تم محسوس نہیں کرتے)، اللہ کی راہ میں شہید کی عظمت کا اندازہ ان چند احادیث سے بخوبی کیا جاسکتا ہے، ارشاد نبوی ہے ''شہید کے خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے قبل ہی اس کے گناہوں کو بخش دیا جاتا ہے''، ایک اور صحیح روایت میں آتا ہے کہ ''اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا اگر مرجائے تو اللہ اس کے لیے جنت کا ضامن ہے''، ابوداؤد کی روایت میں ہے ''نبی جنت میں ہوگا، اور شہید بھی جنت میں ہوگا''۔

حدیث کی کتابوں میں اللہ کی راہ میں جاں بحق ہونے والوں کے علاوہ چند اور لوگوں کو بھی شہید بتایا گیا ہے، سنن ابوداؤد کی روایت میں آتا ہے کہ شہداء کی سات قسمیں ہیں: (۱) وہ شخص جو کسی عام وبا کے پھیل جانے سے مرجائے، (۲) وہ شخص جس کا انتقال کسی نیک ارادہ سے سمندری سفر کرتے ہوئے ڈوبنے کی وجہ سے ہوجائے، (۳) وہ شخص جس کو ایسا ناسور بن گیا ہو جس کی وجہ سے انتقال ہوجائے، (۴) وہ شخص جس کا پیٹ کے درد میں انتقال ہوجائے، (۵) وہ شخص جس کا آگ میں جلنے کی وجہ سے انتقال ہوجائے، (۶) وہ شخص جس کے اوپر مکان گرجانے کے سبب انتقال ہوجائے، (۷) وہ عورت جس کا حالت حمل سے انتقال ہوجائے۔ اسی طرح ایک دوسری روایت میں اس شخص کو بھی شہید بتایا گیا ہے جو اپنے مال اور اپنے گھر والوں کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کردیا جائے۔ واضح رہے کہ اللہ کے راستہ میں شہید ہونے کے علاوہ شہادت کی یہ تمام قسمیں حکمی ہیں، یعنی اس حالت میں مرنے والے لوگوں کا اجر و ثواب شہید کے برابر ہوگا، البتہ حقیقی شہید کے علاوہ ان شہداء کے ساتھ تجہیز و تکفین میں وہی احکامات جاری ہوں گے جو عام مرنے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔

قرآن و حدیث میں اللہ کی راہ میں سچی نیت کے ساتھ جہاد کرنے والے اور شہید کے متعلق جہاں بکثرت فضائل وارد ہوئے ہیں، وہیں فاسد نیت رکھنے والوں سے متعلق سخت تعلیمات بھی موجود ہیں، ارشاد نبوی ہے: ''جو شخص تمام برائیوں سے دور رہ کر اللہ کے لیے جہاد کرے، اس کا سونا اور جاگنا سب عبادت ہے، البتہ جو شخص فخر اور نام و نمود کے لیے لڑے تو اس کو کچھ بھی حاصل ہونے والا نہیں''، اسی لیے ایسے شخص کے بارے میں آتا ہے کہ ''اس کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا''، ایک موقع پر صحابہ کرام میں سے کسی نے آپ ﷺ سے ایسے شخص کے متعلق معلوم کیا جو اللہ کی راہ میں سچی نیت کے ساتھ لڑتا ہو مگر دنیا طلبی کی بھی کچھ نیت رکھتا ہو، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسے شخص کے لیے کچھ اجر نہ ہوگا''۔

حقیقی شہید کی وضاحت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اللہ تعالیٰ سے سچی نیت کے ساتھ شہادت کی دعا کی، اللہ اس کو شہداء کا مرتبہ عطا فرمائے گا، خواہ وہ اپنے بستر پر ہی کیوں نہ مرے''، اس سے یہ واضح ہوگیا کہ شہادت کے حصول کے لیے سچی نیت کا بڑا دخل ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ہم میں سے ہر شخص کو اس غیر معمولی مرتبہ کے حصول کی نیت رکھنا چاہیے، خواہ ایسا مبارک موقع نصیب نہ ہو، رحمت الٰہی سے امید ہے کہ اس سچی نیت کے بدلہ انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہمارا ٹھکانہ بھی جنت میں ہوگا۔

مصر- فوجی انقلاب کے دوسال بعد

خلیل احمد حسنی ندوی

مصر میں فوجی انقلاب پر دوسال کا عرصہ بیت چکا ہے، دوسال کی اس مدت میں مصر کی اقتصادی صورتحال کس حد تک بگڑ چکی ہے ؟انسانی حقوق کی پامالی کہاں تک پہنچ چکی ہے؟ بدامنی اورانارکی نے لوگوں کی زندگی کتنی اجیرن کررکھی ہے؟اس کا کچھ اندازہ منتخب مصری پارلیمنٹ کی تیارکی ہوئی رپورٹ سے لگایاجاسکتا ہے۔

رپورٹ کے مطابق 7000افراد پرامن مظاہروں کے دوران فوج کی گولی کا نشانہ بن کر اپنی زندگی سے ہاتھ دھوبیٹھے، 50000بے قصور شہری جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیئے گئے، فوج نے اپنے اس آپریشن میں سابق صدر مرسی کے حمایتیوں اوران کے مخالفین کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا،فوج نے ہراس شہری کو نشانہ بنایا جوفوجی حکومت کی پالیسیوں کے خلاف احتجاج کررہا تھا، فوج کی سفاکی وبربریت کا یہ حال تھا کہ اس نے سارے ضابطے توڑتے ہوئے عورتوں، بچوں اور طالب علموں کو بھی نہیں بخشا، اپوزیشن پارٹی کے لیڈروں کی جائدادیں ضبط کرلیں، ان کے اسپتالوں کواپنی کسٹڈی میں لے لیا، ان کے اسکولوں اورکالجوں میں تالہ لگادیا، ان کی کمپنیوں کوسیل کردیا، آزادی رائے کوجرم قراردے کران کوچپ رہنے پرمجبورکیا۔

فوج کے اس تشدد سے وکلاء تک محفوظ نہیں رہ سکے، ابتک فوج نے 236وکلاءکوگرفتارکر کے جیل بھیجاجاچکا ہے۔

فوج کے قہرکا شکار دوسروں کی طرح پریس رپوٹرس بھی ہوئے، 10 صحافیوں کوفوجی حکومت کی مخالفت پراپنی جان گنوانی پڑی، 4 سیٹلائٹ چینل بند کردیئے گئے، 4دفتروں پراچانک چھاپامارا گیا، تلاشی لی گئی، اور30رپورٹرس کو ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑا، دیگر صحافیوں کواسکرین پرآنے سے اور نیوز پیش کرنے سے روک دیا گیا،اورتقریبا150پریس رپورٹرس کی گرفتاری عمل میں آئی۔

ایک جگہ جمع ہوکرآزادی رائے کا سہارا لے کرحکومت کے خلاف پرامن مظاہرہ کرنے والوں اوراس کی پالیسیوں پرتنقید کرنے والوں کا سیکورٹی فورسز نے بے رحمی سے قتل عام کیا، ستم بالائے ستم ججوں نے بھی اپنے ہاتھ بےقصوروں کے خون سے رنگین کیے، اورفوج کی گولی سے بچ گئےلوگ جج کے غیرمنصفانہ فیصلہ سے اپنے آپ کونہیں بچاسکے، حالیہ مظاہرہ کے دوران گولی کا نشانہ بن کرموت کا جام پینے والوں کی تعداد تقریبا 500 ہے، زخمیوں کی تعداد تقریبا 10000 ہے، گرفتار کیے گئے لوگوں کی تعداد50000 ہے، اور مطلوبہ(Wanted)لوگوں کی فہرست میں65000نام ہیں۔

اقتدار کے نشہ میں چورفوج نے عورتوں کوبھی نہیں بخشا، بغیرکسی جرم کے ان کو جیلوں میں ڈالدیا، جہاں ان کوجنسی استحصال کا سامنا کرنا پڑا، فوج نے اپنے اس گھناؤنے جرم میں سن رسیدہ خواتین او رنوخیز بچیوں میں کوئی تفریق نہیں برتی، بلکہ اس کا زیادہ ترشکار اسٹوڈنٹس لابی (students lobby)بنی، ایک سو چونسٹھ (student) کونظر بند کردیا گیا، اورسیکورٹی فورسزکویونیورسٹیوں میں تعینات کردیا گیا، جس نے اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کیا، اور110اساتذہ (teacher) کوشہید کردیا،30اساتذہ کو برطرف کردیا، اور150اساتذہ کومعطل کردیا۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ عوام کی طرف سے منتخب شدہ اور انقلاب کے ذریعہ پارلیمنٹ میں پہنچےاراکین بھی ان زیادتیوں سے محفوظ نہیں ہیں، ان کوبھی ظالمانہ فیصلوں کا سامنا کرنا پڑا، ان میں وہ بھی ہیں جن کو پھانسی کا فیصلہ سنایا گیا، جیسے ناصرالحافی، اوروہ بھی ہیں جن کو میڈیکل سرٹیفکٹ (medical certificate) کے ذریعہ معذوراوراپاہج ڈکلیر کردیا گیا، جیسے فریداسماعیل۔

اس سنگین صورتحال میں وہاں کے عوام میں خودکشی کا رجحان پیدا ہوا، چنانچہ سال 2014 کے آغاز میں کچھ واقعات خودکشی کے بھی سامنے آئے، لیکن پھران میں اضافہ ہوتا گیایہاں تک کہ ان کی تعداد100 تک پہنچ گئی۔

بین الاقوامی معاہدہ کی روسے زبردستی نظربندی ممنوع ہے، یہ معاہدہ کسی بھی ظالمانہ نظر بندی کوممنوع قراردیتا ہے، لیکن حقوق انسانی کی تنظیموں سے پتا چلتا ہے کہ 750افرادکو پولیس اورسیکورٹی فورسز نےنظر بند کیا ہے۔

فوجی انقلاب کے بعد مصر کی اقتصادی صورتحال برابر گراوٹ کا شکار رہی، غریبوں کے بجائے امیروں کے ساتھ رعایت برتی جا رہی ہے، خطرہ ہے کہ اقتصادی صورتحال میں مزید گراوٹ آئے گی، قتل وغارت گری کا ننگا ناچ ابھی اور ہوگا، اس لیے کہ ایک خرابی دس خرابیوں کو جنم دیتی ہے۔

اقتصادی ذرائع سے پتا چلتا ہے کہ محمد مرسی کے دور حکومت میں ایک ڈالر پر چھ پونڈ ملتے تھے، لیکن انقلاب کے بعد اس میں ۱۵٪ گراوٹ آئی، اور اب 7 پونڈ پر ایک ڈالر ملتا ہے، گراوٹ کا یہ سلسلہ جاری ہے، حال ہی میں کیے گئے ایک سروے سے پتا چلتا ہے کہ اس وقت مصری پونڈ ڈالر کے مقابلے میں 8 تک پہنچ گیا ہے، حال میں کیے گئے سروے سے ایک بات یہ بھی سامنے آتی ہے کہ وہاں بیکار اور بے روزگار لوگوں کی تعداد میں بھی نمایاں اضافہ ہوا ہے، اسی طرح مصر کے مرکزی بینک کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے 2011 میں جو کہ حسنی مبارک کا دور تھا محفوظ رقم (Reserve Money) 35 ملیار ڈالر تک پہنچ گئی تھی، لیکن صدر مرسی کو جب حکومت ملی تو وہ محفوظ رقم گھٹ کر 14 ملیار ڈالر تک آ گئی تھی، فوج کے ہاتھوں جب صدر محمد مرسی کی برطرفی عمل میں آئی تو اس وقت محفوظ رقم (Reserve Money) 14 ملیار ڈالر تھی جس میں فوجی انقلاب کے بعد کچھ اضافہ ہوا، اور وہ رقم 16 ملیار ڈالر تک پہنچ گئی، پھر انقلاب کے بعد اس میں گراوٹ آئی، اور 16 ملیار ڈالر سے گھٹ کر وہ رقم 15 ملیار ڈالر تک آ گئی، اور پھر اپریل 2015 میں محفوظ رقم میں اضافہ ہوا اور اس کی وجہ خلیجی ممالک کی وہ رقومات تھیں جو ان ممالک نے مصر کے اقتصادی استحکام کے لیے وہاں کے بینک میں جمع کی تھیں، جو 6 ملیار ڈالر تک پہنچتی ہیں، لیکن اس میں بھی موجودہ حکومت کی طرف سے برابر تصرف جاری رہا، جس کے نتیجہ میں پھر محفوظ رقم میں گراوٹ آ گئی ہے۔

ان اعداد و شمار کی روشنی میں مصر کی گرتی صورتحال کا خوب اندازہ لگایا جا سکتا ہے، توقع تھی کہ انقلاب کا فائدہ مظلوم عوام کو ہوگا لیکن نتائج اس کے برعکس سامنے آ رہے ہیں، وہ کل بھی ستم رسیدہ تھے اور آج بھی ستم رسیدہ ہیں۔

بقیہ: سیرت نبوی ﷺ - قرآن کریم کے آئینہ میں

......(جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس (رسول) کو ایسے ہی پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، جنھوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈالا بس وہی ایمان نہیں لاتے)، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس ہٹ دھرمی کی بنا پر ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور فرمایا ﴿كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْماً كَفَرُواْ بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُواْ أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ☆ أُوْلَـئِكَ جَزَآؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّهِ وَالْمَلآئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ☆ خَالِدِينَ فِيهَا لاَ يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلاَ هُمْ يُنظَرُونَ﴾ (آل عمران: ۸۶-۸۸) (اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت دے سکتا ہے، جنھوں نے ماننے کے بعد انکار کیا جبکہ انھوں نے مشاہدہ کر لیا کہ رسول برحق ہیں اور ان کے پاس کھلی نشانیاں آ چکیں اور اللہ ایسے ناانصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا ☆ ایسے لوگوں کی سزا یہی ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی پھٹکار ہے ☆ وہ اسی میں پڑے رہیں گے، نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی)۔

دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ ﴿فَإِنْ آمَنُواْ بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَواْ وَّإِن تَوَلَّوْاْ فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (البقرة: ۱۳۷) (تو اگر وہ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے تم ایمان لائے ہو تو وہ راہ پر آ گئے اور اگر وہ پھرے ہی رہے تب تو وہ بڑی دشمنی میں پڑے ہی ہیں، بس عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ان سے نمٹ لے گا اور وہ بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے)۔

"کلمہ طیبہ میں ہم جو "محمد رسول اللہ" زبان سے کہتے ہیں، اور آپ کی رسالت کی جو شہادت دیتے ہیں تو اس کی ذمہ داریوں کو ہم کہاں تک پورا کر رہے ہیں، زبان سے اللہ کے کسی نبی و رسول کی نبوت و رسالت کی شہادت دینا اور زندگی بھر اس کے خلاف راستوں پر اطمینان سے چلتے رہنا ایمان نہیں نفاق ہے۔"

مولانا محمد منظور نعمانیؒ

انسانی زندگی میں حسن اخلاق کی اہمیت

امین حسنی ندوی

"مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے، مکارم اخلاق سے اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے" "اللہ تعالی مکارم اخلاق کو پسند کرتا ہے، اور برے اخلاق کو ناپسند کرتا ہے" "کامل ترین مومن وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں" "قیامت کے روز جب نیکیاں تولی جائیں گی تو اعلیٰ اخلاق کا پلہ جھکا رہے گا" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! "اعمال کے ترازو میں اعلیٰ اخلاق کا وزن سب سے زیادہ ہوگا"۔ ان مذکورہ بالا احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی شخصیت اور اس کے کردار کے متعلق گواہی اگر لینی ہے تو اس کے اخلاق سے لی جاسکتی ہے کیوں اگر وہ اسلامی اور نبوی زندگی گذارنا چاہتا ہے تو اسے اپنے اخلاق کا اعلیٰ نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنا ہوگا، قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے جس طرح کے بلند اخلاق پیدا کرنے پر زور دیا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم موجود تھے انسان کو بنانے اور بگاڑنے میں اور دوسروں کے ساتھ اس کے تعلقات استوار کرنے میں جس چیز کا سب سے بڑا دخل ہوتا ہے وہ اس کے اخلاق ہیں۔

گھریلو زندگی ہو یا معاشرتی زندگی، آفس کا مسئلہ ہو یا تجارتی مسئلہ، کسی طرح کی بھی زندگی ہو آپ میں اگر اخلاق نہیں ہیں بردباری نہیں ہے، تحمل نہیں ہے تو آپ ایک کامیاب انسان نہیں بن سکتے کامیابی کے لیے ان چیزوں کا ہونا بہت ضروری ہے یہی چیزیں کامیابی میں سب سے بڑی معاون بھی بنتی ہیں اور کامیابی کی سب سے بڑی رکاوٹ بھی، کیوں کہ اگر اخلاق نہیں ایک دکاندار اپنے گاہک سے بدتمیزی سے پیش آتا ہے، ایک کمپنی کا مالک اپنے ورکروں سے بدسلوکی کرتا ہے، ایک تاجر اپنے Customers سے بدکلامی کرتا ہے تو وہ اس کے لیے نقصان دہ ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہی بداخلاقی اس کے کاروبار کو ٹھپ کرنے کا ذریعہ بن جائے، یہ چیزیں ایسی ہیں کہ انسان اپنے اخلاق کا اعلیٰ نمونہ پیش کر کے دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرسکتا ہے اگر کہا جائے کہ انسان کی قدر و قیمت اس کے سوٹ بوٹ سے نہیں، جیب سے جھانکتے نوٹوں سے نہیں، کروڑ دو کروڑ کے بنگلے سے نہیں، چمکتی دمکتی کار سے نہیں، عہدہ اور منصب سے نہیں بلکہ اس کے اخلاق سے ہے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ سے پوچھا: "مفلس (کنگال) کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا! اے اللہ کے رسول مفلس ہم میں وہ ہے جس کے پاس مال و متاع نہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میری امت میں مفلس وہ ہے جو اپنی نماز روزہ اور زکوۃ کے ساتھ آئے، لیکن کسی کو گالی دی ہو، کسی پر تہمت لگائی ہو، کسی کا مال ناجائز طریقہ سے کھایا ہو، کسی کا ناحق خون بہایا ہو تو اس کے نیکیاں ان کو دے دی جائیں گی اگر اس کی نیکیاں برابر ہوگئیں تو ٹھیک ورنہ ان کے گناہ اس کو دے دیے جائیں گے اور اس کو گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا" (ترمذی) معلوم ہوا کہ انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ اخلاق ہے اسی اخلاق پر اس کی بلندی بھی ہے اور پستی بھی، ترقی بھی ہے تنزلی بھی، مقبولیت بھی اور نامقبولیت بھی، عزت بھی ہے اور ذلت بھی، انسان کے یہ اخلاق گھریلو زندگی میں اور زیادہ اہمیت کے حامل ہیں کیوں کہ اس کا واسطہ جتنا گھر کے لوگوں سے پڑتا ہے اور ان میں بھی خاص کر بیوی سے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہو اور میں تم میں اپنے گھر والوں میں سب سے اچھا ہوں" یہ حدیث ہمیں اس بات کی تعلیم دیتی ہے کہ گھر کہ افراد کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، ان کو عزت دی جائے، ان کا احترام کیا جائے، ان کا خیال رکھا جائے، نرمی کے ساتھ پیش آیا جائے، ان کی ضرورتوں کو پورا کیا جائے اور ان کی دل آزاری سے بچا جائے، اگر انسان ان چیزوں کو سمجھے گا تو گھر جنت کا ایک نمونہ بن جائے گا، جہاں اس کی بھی عزت ہوگی کیوں کہ جب دوسروں کی عزت کی جاتی ہے تو دوسرے بھی آپ کی عزت کرتے ہیں جب آپ دوسروں کی عزت نہیں کریں گے تو دوسرے بھی آپ کو عزت نہیں کریں گے۔

عزت کے حصول کا یہ ایک آسان طریقہ ہے تو آیئے کیوں نہ اس طریقہ کو آزمایا جائے۔

اسرائیلی مظالم

محمد نفیس خاں ندوی

بیسویں صدی کے اوئل تک یہودیوں کی حیثیت ایک دربدر بھٹکتی قوم کی طرح تھی، ان کی عیارانہ طبیعت اور سازشی مزاج سے پورا یورپ واقف تھا، اسی لیے کوئی بھی ملک انھیں مستقل ٹھکانہ دینے کو تیار نہ تھا بلکہ ہر کوئی ان سے بیزار تھا، لیکن ان کا مالی تسلط اور ملکی سیاست پر ان کی گرفت کی وجہ سے کوئی بھی ملک کھل کر ان کے خلاف کررروائی نہیں کرسکتا تھا، یہودی بھی اس بات کو اچھی طرح کومحسوس کرتے تھے، اور وہ بھی اپنی الگ ریاست کے خواہش مند تھے، چنانچہ انھوں نے ٹھوس اور مضبوط حکمت علمی مرتب کی، اور فلسطین کی جغرافیائی اہمیت کے پیش نظر اس پر قابض ہونے کا پروگرام ترتیب دیا، اور پھر 15 مئی 1948ء کو فلسطین کے قلب میں اسرائیل کے ناپاک وجود کا اعلان کیا گیا جسے اقوام متحدہ نے فوری منظوری دیدی اور یورپ وامریکہ نے ہر ممکن تعاون پیش کیا۔

اسرائیل جب ایک ریاست کی حیثیت سے دنیا کے نقشہ پر ابھر کر سامنے آیا، اس وقت اس کا کل رقبہ صرف پانچ ہزار مربع میل تھا، اور یہودیوں کی آبادی کم وبیش پانچ لاکھ تھی، جبکہ موجودہ حال میں اسرائیل کا رقبہ پھیل کر چونتیس ہزار مربع میل ہو چکا ہے، اور اس کی آبادی ساٹھ لاکھ سے بھی زائد ہو چکی ہے۔

اقوام متحدہ کے حقوق انسانی کی تنظیم نے فلسطینیوں پر اسرائیل کے مظالم کی تصدیق کی ہے، اور اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے کہ اسرائیل بین الاقوامی قوانین کی پابندنہیں کرتا ہے، لیکن اس اعتراف کے باوجود اسرائیل کی صرف لفظی مذمت ہی کی جاتی ہے جس سے عملی طور پر اسرائیل کے حملے بھی کم نہیں پڑتے۔

اسرائیلوں فوج کے ہاتھوں جہاں ایک طرف فلسطینی مرد مظالم کا شکار ہیں وہیں دوسری طرف ہزاروں بے گناہ خواتین بھی پابند سلاسل ہیں جن کے ساتھ کسی بھی طرح کا صنفی امتیاز نہیں برتا جاتا، انھیں مردوں کے ساتھ ایک ہی بیرک میں ٹھونس دیا جاتا ہے جن میں نو عمر بچے اور بچیاں بھی شامل ہیں، اس تکلیف کو برداشت نہ کرتے ہوئے بہت سی خواتین خودکشی کی کوششیں بھی کرتی ہیں، لیکن صہیونی درندوں پر ذرہ برابر فرق نہیں پڑتا۔ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے، جس کی تاب نہ لاکر بہت سی خواتین شہید بھی ہو جاتی ہیں۔

ان بے گناہ لڑکوں اور لڑکیوں کو مختلف بہانوں سے گرفتار کیا جاتا ہے، پھر ان کی رہائی ک بدلہ بھاری جرمانہ وصول کیا جاتا ہے، جرمانوں کا یہ سلسلہ اسرائیلی انتظامیہ کی آمدنی کا ایک منافع بخش ذریعہ بھی ہے۔

واضح رہے کہ اسرائیل تنہا ایسا ملک ہے جہاں 12 سال سے بھی کم عمر کے بچوں اور بچیوں کو گرفتار کیا جاتا ہے، ان کے خلاف کارروائی کی جاتی ہے اور جیلوں میں ان کے ساتھ جنسی وجسمانی تشدد برتا جاتا ہے، لیکن مقام افسوس یہ ہے کہ ان مظالم سے آگاہی اور خاص کر سوشل میڈیا کے ذریعہ پوری واقفیت کے باوجود حقوق انسانی اور حقوق نسواں کے ٹھیکیدار خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں، جبکہ اگر اسی طرح کا معمولی سا واقعہ کسی دوسرے ملک میں واقع ہوتا ہے تو یہ تنظیمیں آسمان سر پر اٹھالیتی ہیں، دھرنے دیتی ہیں، ریلیاں نکالتی ہیں اور ہر طرح کی دہائی دے کر ملک وحکومت کو کارروائی پر مجبوری کردیتی ہیں۔

فلسطین میں بے گناہوں اور معصوم بچوں کا خون بہایا جارہا ہے، لیکن اسرائیل کے مظالم پر عالمی برادری کی زبانیں خاموش ہیں، اور سب سے بڑھ کر ستم ظریفی یہ ہے کہ ان مظالم پر مسلم حکمراں بھی صرف بناوٹی افسوس ظاہر کرتے ہیں، کچھ میٹنگیں کرتے ہیں، بیانات دیتے ہیں، سیمینار منعقد کرتے ہیں اور پھر زبانی احتجاج کے بعد خاموشی اختیار کرلیتے ہیں۔

لیکن وہ وقت بھی دور نہیں جب خدا ظالموں کو صفحۂ ہستی سے مٹائے گا تو ان بے حس وبے غیرت حکمرانوں کی بساط بھی الٹ دی جائے گی، بے شک اس کے یہاں نہ دیر ہے نہ اندھیر ہے، بس ظالموں کو تھوڑی سی مہلت ہے، اور ہر شئی کا وقت مقرر ہے۔ **كل شئي عنده لأجل مسمى.**

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام

خلافت راشدہ کی روح کی حفاظت کے لیے تھا

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ (سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

''تاریخ کا جائزہ ہماری رہنمائی اس طرف کرتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام کا نصب العین ''خلافت عادلیہ صحیحہ'' کا قیام تھا، یزید کا فسق خلافت نبوت کو خلافت قیصر وکسریٰ سے بدل رہا تھا، یہ فسق گھر کی چہار دیواری میں محدود نہ رہا تھا، بلکہ عوام الناس کے سامنے کھل چکا تھا، اس وقت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے اجتہاد نے اس طرف رہنمائی کی کہ اس ''امام جائر'' کے سامنے حق کا اظہار ضروری ہے اور انھوں نے اس راہ میں اپنی جان دے دی۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت امام کے خروج کی بنیاد یزید کا فسق وفجور تھا، ان کی تحریک کی بنیاد خلافت عادلہ کا قیام تھا، وہ خدانخواستہ ایک غیر اسلامی چیز یعنی نسلی فضیلت کی بنیاد پر خلافت کے مدعی نہ تھے، جب عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ مسلک سامنے آ گیا کہ وہ یزید کے فسق کے باوجود اس کے خلاف خروج کے قائل نہ تھے، محض اس لیے کہ فتنہ وفساد کا خطرہ تھا، عام صحابہ اپنے اس اجتہاد کی بنیاد پر حضرت امام کا ساتھ تو نہ دے سکے لیکن امام حسین کو غیر اسلامی تحریک کا داعی اور گنہگار بھی نہ کہا اور عام صحابہ کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی مورد الزام قرار نہیں دیا، اس لیے کہ وہ بھی اپنے اجتہاد پر عامل تھے، لیکن اپنی دعوت کی حقانیت پر اور اپنی تحریک کی سچائی پر انھیں صحابہ کو گواہ بناتے تھے جو عملاً ان کے اس اقدام میں شریک نہیں تھے۔

خلاصہ یہی ہوا کہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد پر عمل پیرا ہو کر یزیدیوں سے نبرد آزما ہوئے اور عام صحابہ نے فتنہ وفساد کا خیال کرتے ہوئے اس میں نجات سمجھی کہ یزید کی ہدایت کے لیے دعا کی جائے اور اس سے نجات اور راحت کی دعا کی جائے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ سمجھ رہے تھے کہ عام صحابہ بھی یزید کے فسق سے واقف ہیں اور وہ بھی خلافت عادلہ کے قیام کو ضروری سمجھتے ہیں، لیکن بنوامیہ کی طاقت اور عصبیت کی بنا پر کسی نئی تحریک کا بارآور ہونا مشکل ہے اور پھر مسلمانوں کے مابین قتل وخون کا اندیشہ ہے، اس لیے وہ اس طرح کی تحریک اٹھانے کے لیے تیار نہیں، اسی لیے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے انھیں مدد نہ کرنے پر مورد الزام بھی نہیں سمجھا اور دوسری طرف انھیں اپنی دعوت پر گواہ بناتے رہے، یہیں سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اس اقدام یا کوفہ کی طرف جانے سے روکا تھا، اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ یزید کے کردار میں کوئی ایسی خامی نہ تھی جس کی وجہ سے اس کے خلاف خروج ناجائز ہو بلکہ اس کی وجہ یہی تھی کہ صحابہ یہ سمجھ رہے تھے کہ حالات ایسے نہیں ہیں جس میں یہ تحریک کامیاب ہو سکے۔''

(بحوالہ برہان دہلی (دسمبر ۱۹۵۹ء))

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP - 09

Volume: 07 OCTOBER 2015 Issue: 10

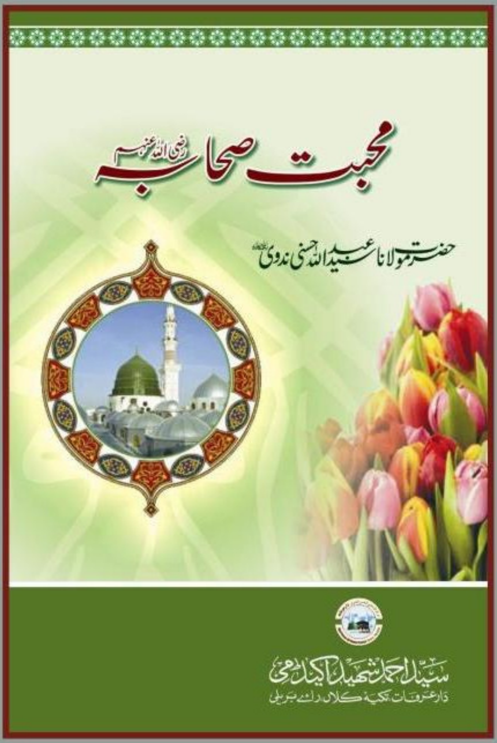

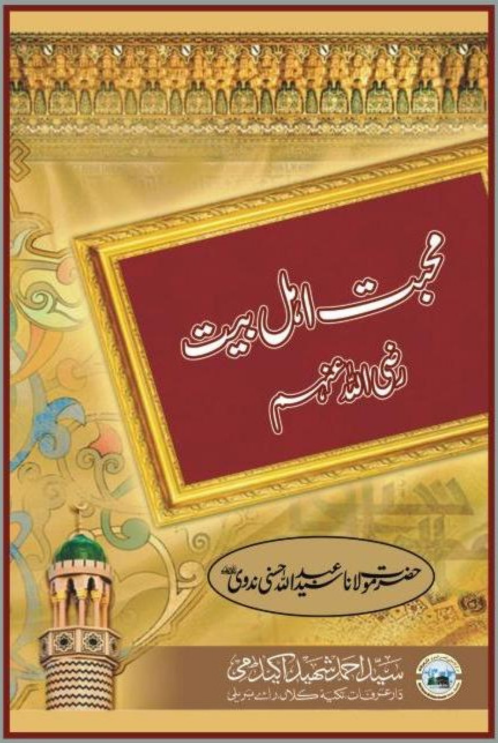

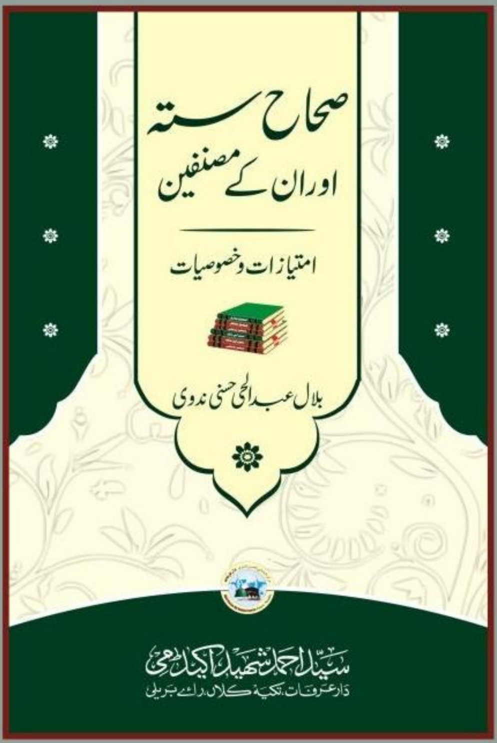

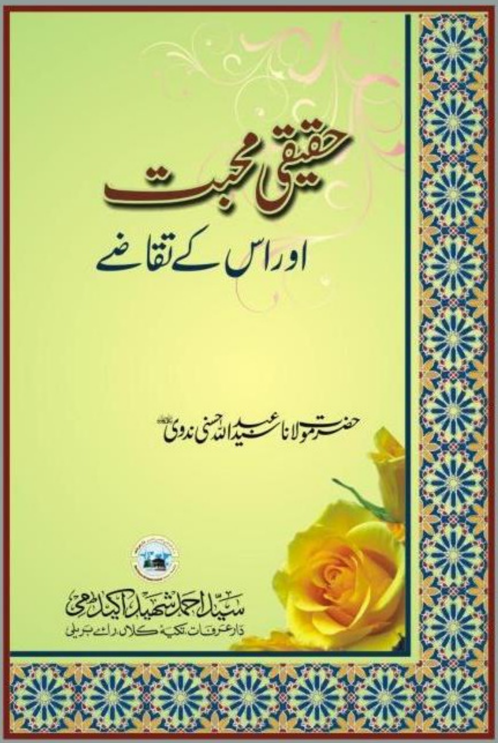

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)